سلسلہ اصلاحی خطبات | ۷۲

راحت

کس طرح حاصل ہو؟

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

میمن اسلامک پبلشرز

فہرست مضامین

عنوان	صفحہ

عنوان	صفحہ

عنوان	صفحہ

عنوان	صفحہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

راحت

کس طرح حاصل ہو؟

الحمد للّٰه نحمده ونستعينه ونستغفره و نؤمن به ونتوكل عليه، ونعوذ باللّٰه من شرور انفسنا ومن سيٰات اعمالنا، من يهده اللّٰه فلا مضل له ومن يضلله فلا هادى له، ونشهد ان لا اله الا اللّٰه وحده لاشريك له، ونشهدان سيدنا وسندنا ومولانا محمدًا عبده ورسوله، صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وعلى اٰله واصحابه وبارك وسلم تسليماً كثيرًا كثيرا۔

اما بعد!

عن ابى هريرة رضى اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: انظروا الى من هو اسفل منكم، ولا تنظروا الى من هو فوقكم، فهوا جدران لا

تزدروا نعمة الله علیکم﴾ (صحیح مسلم، کتاب الزھد، باب نمبر۱)

اپنے سے کم تر لوگوں کو دیکھو

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ تم ان لوگوں کی طرف دیکھو جو تم سے دنیاوی ساز و سامان کے اعتبار سے کم ہیں۔ (جن کے پاس دنیا کی مال و دولت اور دنیا کا ساز و سامان اتنا نہیں ہے جتنا تمہارے پاس ہے۔ تم ان کی طرف دیکھو۔) اور ان لوگوں کی طرف مت دیکھو جو مال و دولت میں اور ساز و سامان کے اعتبار سے تم سے زیادہ ہیں۔ اس کے نتیجے میں تمہارے دل میں اللہ کی نعمت کی بے وقعتی اور ناقدری پیدا نہیں ہوگی۔ (اس لئے کہ اگر تم اپنے سے اونچے آدمی کو دیکھتے رہو گے تو پھر ہر وقت اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو ناقدری کی نگاہ سے دیکھو گے اور تمہارے دل میں اس کی بے وقعتی پیدا ہوگی اور تم پریشان رہو گے)۔

دنیا کی محبت دل سے نکال دو

اس حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کی محبت دل سے نکالنے کا اور دنیا کے اندر حقیقی راحت حاصل کرنے کا نسخہ

اکسیر بیان فرمایا ہے، جیسا کہ پہلے عرض کیا تھا کہ آدمی کے پاس دنیا تو ہو، لیکن دنیا کی محبت دل میں نہ ہو۔ آدمی کے پاس دنیا کا ہونا اس لئے ضروری ہے کہ اس کے بغیر گزارہ نہیں۔ اگر انسان کے پاس کھانے پینے کی اشیاء نہ ہوں، رہنے کے لئے مکان نہ ہو، پہننے کے لئے کپڑے نہ ہوں تو پھر انسان کیسے زندہ رہے گا؟ اس لئے ان چیزوں کی ضرورت ہے، لیکن ان چیزوں کو اپنا مقصد زندگی نہ بنائے اور ان چیزوں کو اپنا آخری مطمح نظر نہ بنائے، اور صبح شام ہمہ وقت اس کی دھن میں سرگرداں نہ رہے، اور دل میں ان کی محبت پیدا نہ کرے۔ اور یہ بات "قناعت" کے ذریعہ پیدا ہوتی ہے۔ جب انسان کے اندر "قناعت" کی صفت پیدا ہوجاتی ہے تو پھر اس کے پاس دنیا ہوتی ہے۔ لیکن اس کی محبت دل میں نہیں ہوتی۔ اس لئے جب انسان کے دل میں دنیا کی محبت ہوتی ہے تو ہر وقت انسان اس فکر میں رہتا ہے کہ یہ چیز نہیں ملی۔ وہ مل جائے۔ فلاں چیز کی کمی ہے وہ مل جائے۔ کل اتنے پیسے کمائے تھے۔ آج اس سے ڈبل کمالوں۔ صبح سے لے کر شام تک بس اسی فکر اور دھن میں مگن رہتا ہے۔ بس اسی کا نام دنیا کی محبت ہے۔ اس محبت کے نتیجے میں لازماً حرص پیدا ہوجاتی ہے۔

"قناعت" حاصل کرنے کا نسخۂ اکسیر

ایک حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ "اگر ابن آدم کو ایک وادی سونے کی بھری ہوئی مل جائے تو وہ چاہے گا کہ مجھے ایک وادی اور مل جائے۔ جب دو مل جائیں گی تو پھر یہ چاہے گا کہ مجھے ایک وادی اور مل جائے، پھر فرمایا:

﴿لا یملأ جوف ابن آدم الا التراب﴾ (صحیح بخاری، کتاب الرقاق، باب مایتقی من فتنۃ المال)

ابن آدم کا پیٹ سوائے قبر کی مٹی کے اور کوئی چیز نہیں بھرے گی۔ جب وہ دنیا سے رخصت ہوگا اور اس کو قبر میں دفن کیا جائے گا تب اس کا پیٹ بھرے گا۔

اور دنیا میں مال و دولت جمع کرنے کے لئے جو بھاگ دوڑ اور محنت کر رہا تھا۔ وہ ساری محنت دھری رہ جائیگی اور سب مال و دولت یہاں چھوڑ کر خالی ہاتھ دنیا سے رخصت ہوجائے گا۔ البتہ اگر اللہ تعالیٰ کسی بندے کو "قناعت" عطا فرمادیں تو یہ ایک ایسی چیز ہے جو انسان کا پیٹ بھردیتی ہے اور اس "قناعت" کو حاصل کرنے کا نسخہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں بیان فرمایا اگر تم دنیا اور آخرت کی فلاح چاہتے ہو تو اس نسخے پر عمل کرلو اور اگر فلاح

نہیں چاہتے تو عمل مت کرو لیکن پھر ساری عمر بے چینی اور پریشانی کا شکار رہوگے۔ وہ نسخہ یہ ہے کہ دنیاوی مال و دولت کے اعتبار سے اپنے سے اونچے کو مت دیکھو۔ ورنہ یہ خیال آئے گا کہ اس کو فلاں چیز مل گئی ہے۔ مجھے وہ چیز نہیں ملی، بلکہ اپنے سے کم تر آدمی کو دیکھو کہ اس کے پاس دنیا کے اسباب کیا ہیں۔ اور تمہیں اس کے مقابلے میں کتنا زیادہ ملا ہوا ہے۔ اس وقت تم اللہ کا شکر ادا کروگے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے جو سامان اور راحت عطا فرمایا ہے وہ اس کو حاصل نہیں اور اگر اپنے سے اونچے کو دیکھو گے تو دل میں "حرص" پیدا ہوگی۔ پھر مقابلہ اور دوڑ پیدا ہوگی اور اس کے نتیجے میں دل کے اندر "حسد" پیدا ہوگا کہ وہ آگے نکل گیا، میں پیچھے رہ گیا۔ پھر "حسد" کے نتیجے میں "بغض" پیدا ہوگا۔ پھر "عداوت" پیدا ہوگی، تعلقات خراب ہونگے۔ اللہ تعالیٰ کے حقوق بھی ضائع ہونگے اور اللہ کے بندوں کے حقوق بھی ضائع ہونگے اور اگر قناعت حاصل ہوگئی اور یہ سوچا کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ مجھے عزت کے ساتھ رزق مل رہا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا انعام ہے۔ بہت سے لوگ اس سے محروم ہیں۔ الحمدللہ میں اس نعمت پر خوش ہوں۔ پس اس پر اللہ تعالیٰ قناعت عطا فرمائیں گے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ سکون میں آجاؤ گے بس اس کے علاوہ سکون کا کوئی راستہ نہیں ہے۔

دنیا کی خواہشات ختم ہونے والی نہیں

جہاں تک اس دنیا کا تعلق ہے تو یہ دنیا ایسی چیز ہے کہ اس روئے زمین پر کبھی کوئی انسان ایسا پیدا نہیں ہوا جو یہ کہہ دے کہ میری ساری خواہشات پوری ہوگئیں۔ اس لئے کہ خواہشات کی کوئی انتہا نہیں۔ کوئی حد نہیں۔ اگر قارون کا خزانہ بھی مل جائے تب بھی خواہشات پوری نہیں ہوں گی۔ دنیا کی خواہشات ایسی ہیں کہ اس کی ایک کڑی دوسری کڑی سے ملی ہوئی ہے۔ عربی کا ایک شاعر "متنبی" گزرا ہے۔ وہ بعض اوقات بہت حکیمانہ شعر کہتا تھا۔ اس نے دنیا کے بارے میں ایک بڑی سچی بات کہی ہے کہ ۔

وَمَا قَضٰی اَحَدٌ مِنْهَا لُبَانَتَهٗ
وَمَا انْتَهٰی اَرَبٌ اِلَّا اِلٰی اَرَب

یعنی دنیا کا یہ حال ہے کہ آج تک ایک شخص بھی ایسا نہیں گزرا جس نے اس دنیا کی ساری لذتوں اور راحتوں اور خواہشات کو پورا حاصل کرلیا ہو، بلکہ اس دنیا کا حال یہ ہے کہ ابھی ایک خواہش پوری نہیں ہوئی ہوتی ہے کہ دوسری خواہش اُبھر آتی ہے۔

کار دنیا کسے تمام نہ کرد

مثلاً ایک شخص بے روزگار ہے۔ اس کی خواہش بھی اور

ضرورت بھی ہے کہ مجھے روزگار مل جائے۔ چنانچہ اس کو ایک روزگار کی جگہ مل گئی۔ اب اس کے ملتے ہی فوراً یہ خواہش ہو گی کہ دوسرے لوگوں کی تنخواہ تو مجھ سے زیادہ ہے، وہ زیادہ کمار ہے ہیں، میں ان تک پہنچ جاؤں۔ چنانچہ ان تک پہنچ گئے۔ جب آگے پہنچا تو اور اُوپر کے لوگ نظر آئے کہ وہ تو مجھ سے زیادہ کمار ہے ہیں۔ اب خواہش یہ ہو رہی ہے کہ ان تک پہنچ جاؤں۔ اس انسان کی پوری زندگی اسی دوڑ دھوپ میں گزر جائے گی۔ لیکن کسی جگہ پر چین سے بیٹھنا نصیب نہ ہو گا۔ آج ہر شخص کی زندگی میں یہ چیز نظر آئے گی۔

"کار دنیا کسے تمام نہ کرد"۔

یعنی کسی نے آج تک دنیاوی کام پورا نہیں کیا۔ ہاں! اس شخص نے پورا کیا جس نے اس دنیا کی حقیقت کو سمجھ لیا۔ یعنی انبیاء علیہم السلام اور ان کے وارثین جو اس دنیا کی حقیقت کو سمجھتے ہیں کہ یہ دنیا چند روزہ ہے اور اس دنیا میں محض بقدر ضرورت ہی کمانا ہے۔ اس دنیا میں بہت زیادہ اسباب و سامان جمع کرنے اور عیش و آرام کی فکر زیادہ نہیں کرنی۔ اگر اللہ تعالیٰ محض اپنی رحمت سے دنیا کے مال و اسباب عطا فرمادیں تو یہ اس کی نعمت ہے۔ لیکن اپنی طرف سے اس کو حاصل کرنے کی زیادہ فکر نہیں کرنی۔ یہ حضرات اُوپر کے بجائے نیچے کی طرف دیکھتے ہیں۔

دین کے معاملات میں اُوپر والے کو دیکھو

ایک اور حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد اس طرح آیا ہے کہ "دنیا کے ساز و سامان کے اندر تم اپنے سے نیچے والے آدمی کو دیکھو کہ فلاں کو دنیا کی یہ نعمت نہیں ملی۔ تم کو ملی ہوئی ہے اور اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو اور اپنے سے اُوپر والے کی طرف مت دیکھو اور دین کے معاملات میں اپنے سے اُوپر والے کو دیکھو کہ فلاں شخص دین کا کتنا کام کر رہا ہے۔ میں اب تک وہاں نہیں پہنچا۔ تاکہ تمہارے اندر دین کے کاموں میں آگے بڑھنے اور ترقی کرنے کا رجحان پیدا ہو۔ لہٰذا دین میں اُوپر والے کو دیکھو اور دنیا میں نیچے والے کو دیکھو۔ اس کے ذریعہ تمہارا دین بھی درست ہوگا اور تمہاری دنیا بھی درست ہوگی۔ یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا بتایا ہوا حکیمانہ نسخہ ہے۔

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کا ایک واقعہ

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ جو بہت اونچے درجے کے فقیہ، محدث، بزرگ اور صوفی تھے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہمعصر ہیں، اور ان کے شاگردوں میں سے ہیں۔ ابتدا میں بہت مالدار، دولت مند اور بہت آزاد منش تھے۔ زمینیں اور جائیدادیں

تھیں، باغات وغیرہ تھے نہ علم سے کوئی تعلق، نہ دین سے کوئی تعلق۔ پینے پلانے والے اور گانے بجانے والے تھے۔ ان کے سیب کے باغات تھے ایک مرتبہ جب سیب پکنے کا موسم آیا تو انہوں نے اپنے دوستوں کے ساتھ اسی باغ میں ڈیرہ ڈال لیا اور وہیں مقیم ہوگئے تاکہ وہاں تازہ تازہ سیب توڑ کر کھائیں گے اور تفریح کریں گے۔ اب وہاں کھانے پک رہے ہیں۔ سیب کھائے جارہے ہیں اور شراب وکباب کا دور بھی چل رہا ہے اور ایک مرتبہ کھانے پینے کے بعد موسیقی کا پروگرام ہوا۔ حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ خود بھی بہترین ساز بجانے والے تھے۔ چنانچہ اب کھانا کھایا ہوا، باغ کا بہترین ماحول، دوستوں کی بہترین محفل، شراب پی ہوئی اس کا نشہ چڑھا ہوا، ہاتھ میں ستار ہے۔ اب اس کو بجارہے ہیں۔ ستار بجاتے بجاتے سوگئے اور آنکھ لگ گئی۔ جب آنکھ کھلی تو دیکھا کہ ہاتھ میں ستار ہے۔ چنانچہ بیدار ہونے پر پھر ستار بجانا شروع کردیا۔ لیکن ستار بجتا نہیں ہے۔ اس میں سے آواز ہی نہیں نکلتی۔ چنانچہ اس کے تاروں کو دیکھا اور ٹھیک کیا۔ دوبارہ بجانے کی کوشش کی، پھر بھی آواز نہیں آئی۔ تیسری مرتبہ جب ٹھیک کرکے بجانے کی کوشش کی تو اب اس کے اندر سے موسیقی کی آواز آنے کے بجائے قرآن کریم کی ایک آیت کی آواز آرہی ہے۔ وہ آیت یہ تھی کہ:

﴿اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ

قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ ﴿ (الحدید:١٦)

یعنی کیا اب بھی ایمان والوں کے لئے وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کی یاد میں پسیج جائیں اور اللہ نے جو حق کی بات نازل کی ہے اس کے آگے ان کے دل نرم ہوجائیں۔ کیا اب بھی اس کا وقت نہیں آیا؟ یہ آواز اس ستار سے آرہی تھی۔

بہرحال اللہ تعالیٰ جس کسی بندے کو اپنی طرف کھینچنا چاہتے ہیں تو ایسے غیبی سامان بھی پیدا فرمادیتے ہیں۔ جب ستار سے یہ آواز سنی، بس اسی وقت دل کی دنیا بدل گئی اور زبان سے اس آیت کا یہ جواب دیا کہ بَلٰی یَا رَبِّ قَدْآنَ اے اللہ! وہ وقت آگیا۔ اسی وقت گانے بجانے اور شراب و کباب سے توبہ کی اور پھر دل میں علم حاصل کرنے کا داعیہ پیدا ہوا اور علم حاصل کرنا شروع کیا اور اتنے بڑے عالم بنے کہ حدیث میں بہت اونچے درجے کے امام بن گئے۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی شاگردی کا شرف حاصل کیا۔ اور اب ان کا قول حدیث کے اندر بھی حجت کا درجہ رکھتا ہے اور فقہ کے اندر بھی حجت ہے اور صوفیاء کرام کے بھی بڑے امام بن گئے۔

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کا مقام بُلند

انہی کا واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ ہارون رشید بغداد میں اپنے محل

کے برج میں اپنی بیوی کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ شام کا وقت تھا۔ ہارون رشید نے شہر پناہ کے باہر سے بہت زبردست شور سنا۔ بادشاہ کو خطرہ ہوا کہ کہیں دشمن نے تو شہر پر حملہ نہیں کر دیا۔ اس نے جلدی سے آدمی بھیجا کہ جاکر معلوم کرے کہ یہ کیسا شور ہے۔ چنانچہ وہ گیا اور معلوم کر کے جب واپس آیا تو اس نے بتایا کہ حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ آج اس شہر میں تشریف لانے والے تھے اور لوگ ان کے استقبال کے لئے شہر سے باہر نکلے ہوئے تھے جب وہ تشریف لائے تو انہیں وہاں پر چھینک آگئی۔ اس چھینک پر انہوں نے "الحمدللہ" کہا اور استقبال کرنے والوں نے اس کے جواب میں "یرحمک اللہ" کہا، یہ اس کا شور تھا۔ جب ہارون رشید کی بیوی نے یہ صورت حال سنی تو ہارون رشید سے کہا۔ ہارون! تم یہ سمجھتے ہو کہ تم بڑے بادشاہ ہو اور آدھی دنیا پر تمہاری حکومت ہے لیکن سچی بات یہ ہے کہ بادشاہت تو ان لوگوں کا حق ہے اور حقیقت میں تو یہ لوگ بادشاہ ہیں جو لوگوں کے دلوں پر حکومت کر رہے ہیں۔ کوئی پولیس ان کو یہاں کھینچ کر نہیں لائی بلکہ یہ صرف حضرت عبداللہ بن مبارک کی محبت ہے جس نے اتنے سارے لوگوں کو یہاں جمع کر دیا۔ بہرحال! بعد میں اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ مقام عطا فرمایا۔

عبداللہ بن مبارکؒ کا راحت حاصل کرنا

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میرے اُوپر ایک وقت گزرا ہے کہ میں بڑے بڑے مالداروں کے ساتھ اٹھتا بیٹھتا تھا اور ہر وقت انہی کے ساتھ رہتا، ان کے ساتھ کھاتا پیتا تھا۔ لیکن اس زمانے میں میرا یہ حال تھا کہ شاید مجھ سے زیادہ کوئی رنج اور تکلیف میں نہیں تھا۔ اس لئے کہ میں جس دوست کے پاس جاتا تو یہ دیکھتا کہ اس کا گھر میرے گھر سے اچھا ہے اور میں اپنی سواری پر بڑا خوش ہوتا کہ میری سواری بڑی اچھی ہے لیکن جب کسی دوست کے پاس جاتا تو یہ دیکھتا کہ اس کی سواری تو میری سواری سے بھی آگے بڑھی ہوئی ہے اور وہ بہت اعلیٰ اور عمدہ ہے اور بازار سے اپنے لئے اعلیٰ سے اعلیٰ شاندار لباس خرید کر لایا اور وہ لباس پہن کر جب دوست سے ملنے گیا تو میں نے دیکھا کہ اس نے تو مجھ سے بھی اچھا لباس پہنا ہوا ہے۔ لہٰذا جہاں بھی جاتا ہوں تو اپنے سامان سے اچھا سامان نظر آتا ہے۔ کسی کا مکان اچھا ہے، کسی کے کپڑے اچھے ہیں، کسی کی سواری اچھی ہے۔ پھر بعد میں میں نے ایسے لوگوں کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا شروع کردیا جو زیادہ مالدار نہیں تھے بلکہ معمولی قسم کے لوگ تھے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مجھے راحت اور آرام حاصل ہوگیا۔ اس لئے کہ اب میں جس کے پاس بھی ملاقات کے لئے جاتا ہوں اور

اس کے حالات دیکھتا ہوں اور اس کے مقابلے میں میں اپنی حالت دیکھتا ہوں تو یہ نظر آتا ہے کہ میرا مکان اس کے مکان سے اچھا ہے۔ میری سواری اس کی سواری سے اچھی ہے۔ میرا لباس اس کے لباس سے اچھا ہے اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ یا اللہ آپ نے اس سے بہتر عطا فرمایا۔ یہ ہے "قناعت" اگر یہ قناعت حاصل نہ ہو پھر نہ صرف یہ کہ انسان ساری عمر دنیا حاصل کرنے کی دوڑ میں مبتلا رہے گا بلکہ راحت بھی نصیب نہیں ہوگی۔

"راحت" اللہ تعالیٰ کی عطا ہے

اس لئے کہ "راحت" اس پیسے اور اس دولت کا نام نہیں بلکہ "راحت" تو ایک قلبی کیفیت کا نام ہے جو محض اللہ جل جلالہ کی عطا ہوتی ہے۔ کوٹھی اور بنگلے کھڑے کرلو، نوکر چاکر جمع کرلو، دروازے پر لمبی لمبی گاڑیاں کھڑی کرلو، یہ سب چیزیں جمع کرلو، اس کے باوجود یہ حال ہے کہ رات کو جب بستر پر لیٹتے ہیں تو نیند نہیں آتی حالانکہ اعلیٰ درجے کا بستر لگا ہوا ہے۔ اعلیٰ درجے کی مسہری ہے۔ شاندار قسم کے گدے اور تکیے لگے ہوئے ہیں، ساری رات کروٹیں بدلتے گزر رہی ہے۔ نیند کی گولیاں کھا کھا کر نیند لائی جارہی ہے۔ وہ گولیاں بھی ایک حد تک کام دیتی ہیں۔ اس کے بعد وہ بھی جواب دے جاتی ہیں — دیکھئے سامان راحت سب موجود ہیں۔ بنگلے ہیں، گاڑی ہے، روپیہ پیسہ

ہے، ایئر کنڈیشنڈ کمرہ ہے، آرام دہ بستر ہے لیکن رات کی بے چینی کو دور کرنے میں کوئی چیز کارآمد نہیں۔ وہ اسباب بے چینی دور نہیں کرسکتے، بلکہ اللہ جل شانہ ہی اس بے چینی کو دور فرماسکتے ہیں۔ دوسری طرف ایک مزدور ہے جس کے پاس نہ ڈبل بیڈ ہے، نہ اس کے پاس ایئر کنڈیشن کمرہ ہے۔ نہ اس کے پاس ایسے نرم گدے اور تکیے ہیں لیکن جب رات کو بستر پر سوتا ہے تو صبح کے وقت آٹھ گھنٹے کی بھرپور نیند لے کر اٹھتا ہے۔ آپ خود فیصلہ کریں کہ اس مزدور کو راحت حاصل ہے یا اس مالدار کو راحت حاصل ہے؟ یاد رکھئے! "راحت" اللہ تبارک و تعالیٰ کی عطا ہے۔ اسباب راحت پر "راحت" حاصل ہونا ضروری نہیں۔ "راحت" اور چیز ہے "اسباب راحت" اور چیز ہیں۔

ایک سبق آموز واقعہ

مجھے یاد ہے کہ جب میں نے اپنے گھر میں ایئر کنڈیشنر لگانا چاہا تو سب سے پہلے تو اس کی خریداری میں یہ اچھی خاصی بڑی رقم خرچ ہوئی، جب کسی طرح اس کو خرید لیا تو پھر پتہ چلا کہ بجلی کی وائرنگ اس قابل نہیں ہے کہ وہ اس کے بوجھ کو اٹھا سکے۔ لہٰذا اس کے لئے نئی وائرنگ ہوگی اور اس میں اتنے پیسے خرچ ہونگے۔ چنانچہ پیسے خرچ کر کے نئی وائرنگ کرائی۔ پھر پتہ چلا کہ وولٹیج اتنا کم ہے کہ وہ اس کو

نہیں چلا سکتا۔ اس کے لئے "اسٹیپلائزر" کی ضرورت ہے چنانچہ وہ بھی خرید کر لگالیا۔ لیکن پھر بھی وہ نہ چلا اور اب یہ پتہ چلا کہ یہاں پر بجلی کا پاور اور زیادہ کم ہے۔ اس کے لئے فلاں پاور کا اسٹیپلائزر کی ضرورت ہے۔ تقریباً چھ مہینے اس ادھیڑبن میں گزر گئے اور مجھے متنبی کا یہ شعر بار بار یاد آتا رہا کہ:

﴿وما انتهى ارب الا الى ارب﴾

یعنی دنیا کی کوئی ضرورت ایسی نہیں ہے کہ اس کے پورا ہونے کے بعد دوسری نئی ضرورت سامنے نہ آجائے، پیسے بھی خرچ کر لئے۔ بھاگ دوڑ بھی کرلی۔ لیکن وہ "راحت" حاصل نہیں ہو رہی ہے۔ اس لئے کہ یہ "راحت" یہ آرام یہ سکون اللہ جل جلالہ کی عطا ہے۔ یہ پیسوں سے نہیں خریدا جاسکتا۔

یاد رکھئے! جب تک انسان کے اندر "قناعت" پیدا نہ ہو، اور جب تک انسان اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر شکر کرنے کا عادی نہ بن جائے۔ اس وقت تک کبھی راحت اور سکون حاصل نہیں ہو سکتا۔ چاہے اس کے لئے کتنے ہی پیسے خرچ کرڈالو، اور کتنا ہی ساز و سامان جمع کرلو، بلکہ اس کے حاصل کرنے کا طریقہ وہ ہے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں بتایا، وہ یہ کہ ہمیشہ اپنے سے نیچے والے کو دیکھو۔ اپنے سے اُوپر والے کو مت دیکھو، اور پھر اللہ تعالیٰ کا شکر

ادا کرو۔

اُوپر کی طرف دیکھنے کے برے نتائج

اس طریقے پر عمل کرنے میں یہ فائدہ ہوگا کہ اس کے ذریعہ "قناعت" پیدا ہوگی۔ لیکن اگر اس پر عمل نہیں کروگے، بلکہ اپنے سے اُوپر والے کو دیکھتے رہوگے تو ہمیشہ رنج اور صدمہ میں رہوگے اور یہ رنج اور صدمہ کسی نہ کسی وقت "حسد" میں تبدیل ہوجائے گا۔ اس لئے کہ جب دل میں دنیاوی حرص پیدا ہوگئی اور کسی کو اپنے سے آگے بڑھتا ہوا دیکھ لیا تو پھر یہ ممکن نہیں ہے کہ "حسد" پیدا نہ ہو۔ کیونکہ "حرص دنیا" کا لازمی خاصہ یہ ہے کہ اس سے "حسد" پیدا ہوگا کہ یہ مجھ سے آگے بڑھ گیا، اور میں پیچھے رہ گیا، اور پھر "حسد" کے نتیجے میں "بغض"، "افتراق"، "عداوتیں اور دشمنیاں" پیدا ہونگی۔ آج معاشرے کے اندر دیکھ لیں کہ یہ سب چیزیں کس طرح معاشرے کے اندر پھیلی ہوئی ہیں اور جب یہ دوڑ لگی ہوئی ہے کہ مجھے دوسروں سے آگے بڑھنا ہے تو اس کے نتیجے میں لازمی طور پر انسان کے اندر یہ بات پیدا ہوگی کہ وہ حلال و حرام کی فکر چھوڑ دے گا۔ اس لئے کہ جب اس نے یہ طے کرلیا کہ مجھے یہ چیز ہر قیمت پر حاصل کرنی ہے تو اب وہ چیز چاہے حلال طریقے سے حاصل ہو، یا حرام طریقے سے حاصل ہو۔ اس کو اس کی کوئی پرواہ نہیں ہوگی۔ چنانچہ

اس کے حاصل کرنے کے لئے پھر وہ رشوت بھی لے گا، دھوکہ بازی وہ کرے گا، ملاوٹ بھی کرے گا، سارے برے کام وہ کرے گا۔ اس لئے کہ اس کو تو فلاں چیز حاصل کرنی ہے۔ یہ سب "قناعت" اختیار نہ کرنے کا نتیجہ ہے۔ اس لئے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "قناعت" اختیار کرو اور اپنے سے نیچے والے کو دیکھو۔

حرص اور حسد کا ایک علاج

ایک اور حدیث میں اس بات کو دوسرے الفاظ میں بیان فرمایا کہ:

﴿اذا نظر احدکم الی من فضل علیہ فی المال والخلق فلینظر الی من ھو اسفل منہ ممن فضل علیہ﴾

(مسلم، کتاب الزھد، باب نمبرا)

پچھلی حدیث میں تو یہ بیان فرمایا تھا کہ اپنے سے اونچے آدمی کی طرف مت دیکھو۔ یعنی باقاعدہ سوچ بچار کر کے اس طرف نظر مت کرو، لیکن ظاہر ہے کہ جب انسان اس دنیا کے اندر رہ رہا ہے تو ایسا نہیں ہو سکتا کہ اپنے سے زیادہ دولت مند پر نظر ہی نہ پڑے، بلکہ اس کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا بھی ہوگا، اس کو دیکھے گا بھی، اس کے ساتھ میل

ملاپ بھی ہوگا لہٰذا جب کبھی ایسا ہو کہ تم ایسے شخص کو دیکھو جو تم سے مال میں زیادہ ہے یا جسم کی بناوٹ میں زیادہ ہو۔ مثلاً وہ زیادہ خوبصورت ہے، زیادہ طاقتور ہے، تم سے زیادہ تندرست ہے۔ اس وقت تم فوراً ایسے شخص کو دیکھو اور اس کا تصور کرو جو تم سے مال و دولت میں اور راحت و آرام میں اور جسم کی خوبصورتی اور تندرستی میں تم سے کم تر ہو، تاکہ پہلے والے شخص کو دیکھ کر تمہارے دل میں جو حسرت پیدا ہوئی ہے وہ حسرت کسی وقت حرص اور حسد میں تبدیل ہو سکتی ہے۔ اس لئے دل میں اس "حسرت" کو باقی نہ رہنے دو، بلکہ اپنے سے نیچے والے کو دیکھ لو۔ اس کے نتیجے میں انشاء اللہ اس "حسرت" کا ازالہ ہوجائیگا، اور پھر وہ "حرص اور حسد" پیدا نہیں ہوگا۔

وہ شخص برباد ہوگیا

ایک اور حدیث میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

﴿تعس عبد الدینار والدرھم والقطیفة الخمیصة، ان اعطی رضی وان لم یعط لم یرض﴾

فرمایا کہ وہ شخص برباد ہوگیا جو درہم اور دینار کا غلام ہے۔

"دینار" ایک سونے کا سکہ ہوتا تھا جس کو "اشرفی" کہتے ہیں اور "درہم" چاندی کا سکہ ہوتا تھا۔ یعنی جو شخص پیسوں کا غلام ہے اور اچھے اچھے کپڑوں اور اچھی اچھی چادروں کا غلام ہے، وہ شخص برباد ہوگیا اور غلام ہونے کا مطلب یہ ہے کہ دن رات اس کو یہی فکر لگی ہوئی ہے کہ پیسہ کس طرح آجائے اور مجھے کس طرح اچھے سے اچھا کپڑا اور اچھا ساز و سامان حاصل ہو جائے۔ جو شخص اس فکر میں مبتلا ہے وہ اس کا غلام ہے۔ اس لئے کہ یہ فکر اس کے اُوپر اتنی غالب آچکی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کو بھول گیا ہے۔ ایسا شخص ہلاک اور برباد ہے۔ اس کا حال یہ ہے کہ اگر اس کو کوئی چیز دیدی جائیگی تو خوش ہوجائیگا اور اگر نہیں دی جائیگی تو اس صورت میں راضی نہیں ہوگا۔ بخلاف اس شخص کے جو "قناعت پسند" ہے اور اللہ جل شانہ کی عطا پر راضی ہے۔ اس کا یہ حال ہوتا ہے کہ جائز طریقوں سے جائز حدود میں اپنی کوشش کرنے کے بعد جتنا مل گیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہے اور جو نہیں ملا، اس پر اس کے دل میں کوئی گلہ اور شکوہ پیدا نہیں ہوتا کہ فلاں کو اتنا مل گیا مجھے کیوں نہیں ملا۔

بہرحال، یہ تمام احادیث یہ بیان کررہی ہیں کہ دنیا کے ساز و سامان سے دل نہ لگاؤ۔ چنانچہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کے دل میں ایک مرتبہ یہ بات بٹھادی تھی کہ یہ دنیا بے وقعت اور بے حقیقت ہے اور اس کا ساز و سامان ایسی چیز نہیں ہے

کہ آدمی دن رات اس کی فکر میں سرگرداں اور پریشان رہے، بلکہ ضرورت کے مطابق اس دنیا کو اختیار کرنا چاہئے۔

اصحاب صفہ کون تھے؟

چنانچہ ایک حدیث میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

﴿لقد رایت سبعین من اهل الصفته، ما منهم رجل عليه رداء، اما ازار اما كساء، قد ربطوا فی اعناقهم، فمنها ما يبلغ نصف الساقين، ومنها ما يبلغ الكعبين، فيجمعه بيده كراهية ان ترى عورته﴾

اس حدیث میں حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ "اصحاب صفہ" کا حال بیان فرمارہے ہیں۔ وہ صحابہ کرام جو اپنا سارا کام چھوڑ کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دین کا علم حاصل کرنے کی غرض سے آپڑے تھے۔ ان کو "اصحاب صفہ" کہا جاتا ہے۔ جن حضرات کو مدینہ منورہ میں حاضری کی سعادت حاصل ہوئی ہے۔ انہوں نے دیکھا ہوگا کہ "مسجد نبوی" میں ایک چبوترہ ہے جس کو "صفہ" کہا جاتا ہے۔ اسی چبوترے پر دن رات یہ اصحاب صفہ رہتے تھے۔

یہی ان کا مدرسہ تھا۔ یہی ان کی درسگاہ تھی۔ یہی ان کی یونیورسٹی تھی، جس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ان کو تعلیم دیتے تھے۔ تعلیم کا کوئی نصاب کتاب کی شکل میں نہیں تھا۔ اس کے کوئی اوقات باقاعدہ مقرر نہیں تھے۔ بس جس وقت بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور آپ نے کوئی بات ارشاد فرمائی، ان حضرات نے اس کو سنا اور یاد کرلیا، یا اگر کوئی شخص آپ کے پاس ملاقات کے لئے آیا، اور اس نے آکر سوال کیا، آپ نے اس کا جواب دیا۔ ان حضرات نے اس سوال و جواب کو سن کر یاد کرلیا۔ یا آپ نے کسی کے ساتھ کس طرح کا معاملہ فرمایا۔ اس کو محفوظ کرلیا۔ ان حضرات کی ساری زندگی اسی کام کے لئے وقف تھی۔ انہی کو "اصحاب صفہ" کہا جاتا ہے۔ یہ اصحاب صفہ اسلام کی تاریخ کے پہلے طالب علم تھے اور "صفہ" اسلامی تاریخ کا پہلا مدرسہ تھا جو ایک چبوترے پر قائم ہوا۔

اصحاب صفہ کی حالت

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بھی انہی میں سے ایک تھے۔ وہ اس حدیث میں ان کا حال بیان فرمارہے ہیں کہ میں نے ستر اصحاب صفہ کو دیکھا کہ ان میں سے کسی کے پاس اپنے جسم کو ڈھانپنے کے لئے پورے دو کپڑے نہیں تھے، بلکہ کسی کے پاس تو صرف ایک چادر

تھی اور اسی چادر کو اس نے اپنے گلے سے باندھ کر نصف پنڈلی تک اپنے جسم کو اس کے ذریعہ چھپا رکھا تھا، اور کسی کے پاس صرف جامہ تھا۔ جس کے ذریعہ اس نے جسم کا نیچے کا حصہ تو چھپا رکھا تھا اور اُوپر کا جسم ڈھانپنے کے لئے اس کے پاس کوئی کپڑا نہیں تھا اور بعض اوقات یہ ہوتا کہ وہ صحابی جنہوں نے اپنے گلے سے چادر باندھی ہوئی ہوتی وہ اپنی چادر کو چلتے ہوئے اس خوف سے بار بار سمیٹتے تھے کہ کہیں ستر نہ کھل جائے اور بہت احتیاط سے چلتے تھے۔ اس حالت میں وہ صحابہ کرام حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس علم حاصل کرنے کے لئے پڑے ہوئے تھے۔ کیا وہ حضرات اگر دنیا جمع کرنا چاہتے تو نہ کرسکتے تھے؟ اللہ تعالیٰ نے ان کو صلاحیت، ذہانت اتنی عطا فرمائی تھی کہ اگر دنیا حاصل کرنا چاہتے تو ضرور حاصل کرلیتے۔ لیکن وجہ یہ تھی کہ ان کو دنیا کی طرف التفات ہی نہیں تھا۔ بس بقدر ضرورت جو مل گیا اس پر اکتفا کرلیا۔ اس زمانے میں "اصحاب صفہ" کے چبوترے پر ایک ستون تھا۔ اس کی یادگار اب بھی موجود ہے۔ اس ستون کے ساتھ لوگ اصحاب صفہ کے لئے کھجور کے خوشے لٹکادیا کرتے تھے۔ کھجور کے وہ خوشے ان اصحاب صفہ کی غذا ہوتے تھے۔ جب کسی کو بھوک لگتی وہ اس خوشے سے کھجور لیکر کھالیتا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی بھوک کی شدت

خود حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اپنا حال بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں مسجد نبوی میں رہتا تھا اور بعض اوقات بھوک کی شدت کی وجہ سے میرا یہ حال ہوتا تھا کہ میں نڈھال ہو کر مسجد نبوی کے دروازے پر گر جاتا تھا۔ لوگ یہ سمجھتے کہ شاید اس کو مرگی کا دورہ پڑا ہے چنانچہ لوگ میری گردن پر پاؤں رکھ کر گزرتے تھے۔ اس زمانے میں اہل عرب کے اندر یہ مشہور تھا کہ اگر کسی کو مرگی کا دورہ پڑ جائے تو یہ سمجھا جاتا تھا کہ اس کی گردن پر پاؤں رکھا جائے تو اس سے دورہ کھل جاتا تھا۔ پھر قسم کھا کر فرماتے ہیں کہ وَاللّٰہِ مَابِیَ اِلَّاالْجُوْع اللہ کی قسم نہ مجھے مرگی کا دورہ تھا اور نہ وہ غشی کی کیفیت تھی بلکہ بھوک کی شدت سے نڈھال ہو کر میں لیٹا ہوا ہوتا تھا۔ اس حالت میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے وقت گزارا۔ تب جا کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی پانچ ہزار تین سو چونسٹھ احادیث ہم تک پہنچائیں اور ذخیرہ حدیث میں سب سے زیادہ احادیث ان سے مروی ہیں۔

بہرحال، صحابہ کرام نے خود فاقے برداشت کر کے موٹا جھوٹا پہن کر، روکھی سوکھی کھا کر ہمارے لئے یہ پورا دین محفوظ کر کے چلے گئے۔ یہ ان کا ہم پر بہت بڑا احسان ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات

بلند فرمائے۔ آمین

حضور اقدس ﷺ کی تربیت کا انداز

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کا یہ مزاج بنادیا تھا کہ دنیا کی حرص، دنیا کی محبت، دنیا کا ضرورت سے زیادہ شوق ختم ہوجائے۔ ان میں سے ہر شخص اس فکر میں تھا کہ کسی طرح اللہ تعالیٰ مجھے آخرت کی صلاح و فلاح عطا فرمادے۔ دنیا ہو تو وہ صرف ضرورت کے مطابق ہو۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کی کس طرح تربیت فرمایا کرتے تھے؟ اس کے واقعات سنئے ــــ یہی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ میں دوپہر کے وقت اپنے گھر سے باہر نکلا تو دیکھا کہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما دونوں راستے میں ٹہل رہے ہیں۔ میں نے سوچا کہ معلوم نہیں یہ دونوں اس وقت کس وجہ سے ٹہل رہے ہیں۔ میں نے جاکر ان سے وجہ پوچھی تو انہوں نے بتایا کہ بھوک لگی ہوئی ہے اور گھر میں کھانے کو کچھ نہیں ہے۔ سوچا کہ کچھ محنت مزدوری کر کے کچھ کھانے کا بندوبست کریں۔ ابھی کچھ دیر گزری تھی کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی گھر سے باہر تشریف لے آئے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے آکر ان حضرات سے پوچھا کہ آپ حضرات کس وجہ سے باہر تشریف لائے؟ ان حضرات نے

جواب دیا۔ ما اخرجنا الا الجوع یا رسول اللہ! ہمیں بھوک نے باہر نکالا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں بھی اسی وجہ سے نکلا ہوں۔ پھر آپ نے فرمایا کہ میرے ایک دوست ہیں۔ ان کے باغ میں چلتے ہیں۔ وہ ایک انصاری صحابی تھے۔ ان کا ایک باغ تھا، چنانچہ یہ حضرات وہاں پہنچے تو معلوم ہوا کہ وہ صحابی موجود نہیں ہیں۔ ان کی اہلیہ موجود تھیں۔ انہوں نے جب یہ دیکھا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما ہمارے باغ میں تشریف لائے ہیں تو ان کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی، اور انہوں نے کہا کہ آج تو مجھ سے زیاد خوش قسمت کوئی نہیں ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے مہمان ہیں۔ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ان کے باغ میں تشریف فرما ہوئے تو ان خاتون نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ مجھے تھوڑی دیر کی اجازت دیجئے کہ آپ کے لئے ایک بکری ذبح کرلوں۔ آپ نے فرمایا کہ بکری ذبح کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ لیکن اس کا خیال رہے کہ کوئی دودھ دینے والی بکری مت ذبح کرنا۔ ان خاتون نے فرمایا کہ میں دوسری بکری ذبح کروں گی۔ چنانچہ ان خاتون نے بکری ذبح کی اور اس کا گوشت اور باغ کی تازہ کھجوریں اور ٹھنڈا پانی پیش کیا۔ آپ نے اور حضرت صدیق اکبر اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہما نے تناول فرمایا۔ جب کھا کر فارغ ہوئے تو فرمایا کہ آج اللہ تعالیٰ نے ہمیں

کھانے کی جو نعمت عطا فرمائی کہ اتنا اچھا اور عمدہ کھانا، اتنا عمدہ پانی اور درختوں کا اتنا عمدہ سایہ جس میں ہم بیٹھے ہوئے ہیں۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کی وہ نعمتیں ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا۔ وَلَتُسْـَٔلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيمِ یعنی آخرت میں تم سے ان نعمتوں کے بارے میں سوال ہوگا کہ ہم نے تمہیں یہ نعمتیں عطا کیں۔ تم نے ان کو کس مصرف میں استعمال کیا؟

نعمتوں کے بارے میں سوال

اس طرح آپ نے ان حضرات کی تربیت فرمائی کہ بھوک کی شدت کے عالم میں یہ تھوڑا سا ایک وقت کا کھانا میسر آگیا، اس کے بارے میں ان کے دلوں میں یہ بات بٹھائی جارہی ہے کہ اس کی محبت تمہارے دلوں میں نہ آجائے، بلکہ یہ خوف پیدا ہو کہ یہ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں تو ہیں، لیکن کل قیامت کے دن ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے یہاں جواب دینا ہوگا۔ یہ ذہنیت تمام صحابہ کرام کے اندر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے پیدا فرمادی تھی۔

موت اس سے زیادہ جلدی آنے والی ہے

ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم راستے سے گزر رہے تھے۔

دیکھا کہ ایک صاحب اپنی جھونپڑی کی مرمت کر رہے ہیں۔ جب آپ قریب سے گزرے تو آپ نے ان سے پوچھا کہ کیا کر رہے ہو؟ انہوں نے عرض کیا کہ ہماری جھونپڑی کچھ کمزور ہوگئی تھی۔ میں اس کی کچھ مرمت کر رہا ہوں۔ آپ نے ان کو منع نہیں فرمایا کہ یہ مرمت مت کرو، لیکن بس ایک جملہ ارشاد فرمادیا کہ مَا اَرَی الْاَمْرَ اِلَّا اَعْجَلَ مِنْ ذٰلِکَ یعنی جو وقت موت کا آنے والا ہے وہ مجھے اس سے بھی زیادہ جلدی نظر آتا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہونے کا جو وقت ہے وہ اتنا جلدی آسکتا ہے کہ اگر اس کا استحضار ہو تو پھر آدمی کو اس بات کی فکر نہیں ہوتی کہ میری جھونپڑی کمزور ہوگئی ہے۔ اس کو درست کرلوں۔ اشارہ اس بات کی طرف فرمادیا کہ اس جھونپڑی کو اور اس گھر کو درست کرتے ہوئے ذہن میں یہ بات نہ آجائے کہ یہ میرا ہمیشہ کا گھر ہے اور ہمیشہ مجھے اس میں رہنا ہے۔ بلکہ یہ خیال رکھنا کہ تمہیں تو آگے جانا ہے۔ یہ گھر تو تمہارے سفر کی ایک منزل ہے سفر کی منزل میں بقدر ضرورت انتظام کرلو اس سے زیادہ مت کرو۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت کا یہ انداز تھا۔

کیا دین پر چلنا مشکل ہے؟

بعض اوقات ان احادیث کو پڑھ پڑھ کر ہم جیسے کم ہمت لوگوں کے ذہن میں یہ خیال پیدا ہونے لگتا ہے کہ پھر دین پر چلنا ہمارے بس

کی بات نہیں۔ یہ حضرت ابو ہریرہ، یہ حضرت ابو بکر اور حضرت عمر اور اصحاب صفہ رضی اللہ عنہم ہی نے دین پر عمل کر کے دکھادیا۔ ہمارے بس میں تو یہ نہیں ہے کہ اتنے دن کی بھوک برداشت کرلیں۔ اور ایک چادر اوڑھ کر اپنی زندگی گزار لیں اور اپنے رہنے کی جھونپڑی بھی ہو تو اس کی مرمت نہ کریں اور اگر مرمت کرنے لگیں تو اس وقت یہ خیال ہو کہ قیامت کا وقت قریب آنے والا ہے —— خوب سمجھ لیجئے! یہ واقعات سنانے کا یہ مقصد نہیں ہے کہ دل میں مایوسی پیدا ہو، بلکہ یہ واقعات سنانے کا منشا یہ ہے کہ حضور اقدس جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کے اندر یہ ذہنیت پیدا فرمائی جس کا اعلیٰ ترین معیار وہ تھا، لیکن یہ ضروری نہیں کہ ہر انسان اس اعلیٰ معیار پر پہنچنے کے بعد ہی نجات حاصل کر سکے گا، بلکہ ہر انسان کی طاقت اور استطاعت الگ الگ ہے، اور اللہ تعالیٰ نے کوئی حکم انسان کی طاقت اور استطاعت سے زیادہ نہیں دیا۔ کسی نے خوب کہا ہے۔

"دیتے ہیں ظرف قدح خوار دیکھ کر"۔

یعنی جتنا جس شخص کا ظرف ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے ظرف کے مطابق اس کے ساتھ معاملہ فرماتے ہیں۔

کاش ہم حضور ﷺ کے زمانے میں ہوتے

چنانچہ بعض اوقات ہمارے ذہنوں میں یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ کاش ہم بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں پیدا ہوئے ہوتے تو صحابہ کرام کے ساتھ ہوتے اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوتی۔ جہاد اور غزوات میں آپ کے ساتھ شریک ہوتے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ اللہ جل شانہ کی مصلحت ہے کہ انہوں نے ہمیں اس دور میں پیدا نہیں کیا، اگر ہم اپنی موجودہ صلاحیت اور موجودہ ظرف کے ساتھ جو آج ہمارے اندر ہے۔ اس دور میں ہوتے تو شاید ابوجہل، ابولہب کی صف میں ہوتے۔ یہ تو صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا ظرف تھا، اور ان کی استطاعت تھی کہ انہوں نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایسے مشکل حالات میں ساتھ دیا، لیکن سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اور آپ کو اور قیامت تک آنے والے تمام انسان کو یہ راستہ بتادیا کہ تمہاری استطاعت کے مطابق تمہارے ذمہ یہ کام ہے کہ دنیا کی محبت اور اس کی حرص تمہارے دل میں نہ ہو۔ محبت اور حرص کے بغیر دنیا کو اپناؤ، اور دنیا کو جائز اور حلال طریقوں سے حاصل کرو اور حرام طریقوں سے پرہیز کرو۔ بس یہ چیز تمہارے دنیا سے بے رغبت ہونے کے لئے کافی ہے۔

حضرت تھانویؒ اپنے دور کے مجدد تھے

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس اللہ سرہٗ حقیقت میں وہ ہمارے دور میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے وارث ہیں اور اپنے عہد کے مجدد ہیں۔ چنانچہ وہ ہمیں بتا گئے کہ ہمیں ہماری صلاحیت اور ظرف کے مطابق کیا کرنا ہے اور کیا نہیں کرنا ہے۔ شاید یہ بات ان سے زیادہ بہتر انداز میں کوئی اور نہ بتا سکے گا۔ چنانچہ انہوں نے ہمیں اس بارے میں ایک اصول بتادیا کہ دنیا کتنی حاصل کرو اور کس درجے میں حاصل کرو اور دنیا کے ساتھ کس طرح کا معاملہ کرو۔ یہ اصول اصل میں تو مکان کے سلسلے میں بیان فرمایا کہ آدمی کیسا مکان بنائے؟ لیکن یہ اصول تمام ضروریات زندگی پر لاگو ہوتا ہے۔

مکان بنانے کے چار مقاصد

چنانچہ انہوں نے یہ اصول بیان فرمایا کہ مکان چار مقاصد کے لئے بنایا جاسکتا ہے۔ پہلا مقصد ہے "رہائش"۔ یعنی ایسا مکان جس میں آدمی رات گزار سکے اور اس کے ذریعہ دھوپ، بارش، سردی اور گرمی سے حفاظت ہوجائے۔ اب یہ ضرورت ایک جھونپڑی کے ذریعہ بھی پوری ہوسکتی ہے۔ اس مقصد کے تحت مکان بنانا جائز

ہے ـــــ دوسرا مقصد ہے "آسائش" یعنی صرف رہائش مقصود نہیں بلکہ مقصد یہ ہے کہ وہ رہائش آرام اور آسائش کے ساتھ ہو۔ مثلاً جھونپڑی اور کچے مکان میں انسان جوں توں گزارہ تو کرلے گا لیکن اس میں آسائش حاصل نہیں ہوگی اور آرام نہیں ملے گا۔ ہوسکتا ہے کہ بارش کے اندر اس میں سے پانی ٹپکنا شروع ہوجائے اور اس میں دھوپ کی تپش بھی اندر آرہی ہے۔ اس لئے آسائش حاصل کرنے کے لئے مکان کو پکا بنادیا تو یہ آسائش بھی جائز ہے۔ کوئی گناہ نہیں ہے ـــــ تیسرا درجہ "آرائش" یعنی اس مکان کی سجاوٹ، آپ نے مکان تو پکا بنالیا اور اس کی وجہ سے آپ کو رہائش حاصل ہوگئی لیکن اس کی دیواروں پر پلاسٹر نہیں کیا ہے اور نہ اس پر رنگ و روغن ہے اب رہائش بھی حاصل ہے اور فی الجملہ آسائش بھی حاصل ہے۔ لیکن آرائش نہیں ہے۔ اس لئے کہ اس پر رنگ و روغن نہیں ہے۔ جب آپ اس مکان میں داخل ہوتے ہیں تو آپ کی طبیعت خوش نہیں ہوتی۔ اب اپنے دل کو خوش کرنے کے لئے رنگ و روغن کرکے کچھ زیب و زینت کرلے تو یہ بھی کوئی گناہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی بھی اجازت ہے۔ بشرطیکہ اپنے دل کو خوش کرنے کے لئے یہ آرائش والا کام کرے ـــــ چوتھا درجہ ہے "نمائش" یعنی اس مکان کے ذریعہ رہائش کا مقصد بھی حاصل ہوگیا۔ آسائش اور آرائش کا مقصد بھی حاصل کرلیا۔ اب یہ دل

چاہتا ہے کہ اپنے مکان کو ایسا بناؤں کو دیکھنے والے یہ کہیں کہ ہم نے فلاں شخص کا مکان دیکھا اس کو دیکھ کر اس کی خوش ذوقی کی داد دینی پڑتی ہے اور اس کی مالداری کا پتہ چلتا ہے۔ اب اگر اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے آدمی اپنے مکان کے اندر کوئی کارروائی کرتا ہے تاکہ لوگ اس کو بڑا آدمی سمجھیں، تاکہ لوگ اس کو دولت مند سمجھیں تاکہ لوگ اس کو اپنے سے زیادہ فوقیت والا سمجھیں تو یہ صورت حرام ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ رہائش حاصل کرنا جائز، آسائش حاصل کرنے کے لئے کوئی کام کرنا جائز، آرائش کے حصول کے لئے کوئی کام کرنا جائز، لیکن "نمائش" اور دکھاوے کے لئے کوئی کام کرنا حرام اور ناجائز ہے اور نمائش کی غرض سے جو چیز بھی حاصل کی جائیگی وہ حرام ہوگی۔

"قناعت" کا صحیح مطلب

یہ تفصیل اس لئے عرض کردی تاکہ "قناعت" کا صحیح مطلب سمجھ میں آجائے۔ "قناعت" کے معنی یہ ہیں کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے دیا ہے۔ اس پر آدمی راضی اور خوش ہوجائے۔ لیکن "قناعت" کے ساتھ اگر آدمی کے دل میں یہ خیال پیدا ہورہا ہے کہ میرے مکان میں فلاں تکلیف ہے۔ یہ دور ہوجائے، اور میں جائز طریقے سے اور حلال آمدنی سے اس تکلیف کو دور کرنا چاہتا ہوں تو یہ "آسائش"

کے اندر داخل ہے اور جائز ہے۔ یہ خواہش "حرص" کے اندر داخل نہیں۔ یا مثلاً اگر ایک شخص نے یہ سوچا کہ میرا مکان ویسے بہت اچھا ہے ماشاء اللہ۔ لیکن جب میں داخل ہوتا ہوں تو مجھے دیکھنے میں اچھا نہیں لگتا۔ اس لئے دل چاہتا ہے کہ اس میں کچھ سبزہ وغیرہ لگا ہوا ہو تاکہ دیکھنے میں اچھا لگے اور میرا دل خوش ہوجایا کرے۔ اب وہ اپنے دل کو خوش کرنے کے لئے یہ کام کرتا ہے تو یہ حرص میں داخل نہیں۔ بشرطیکہ اس کام کو کرانے کے لئے جائز اور حلال طریقہ اختیار کرے۔ ناجائز اور حرام طریقہ اختیار نہ کرے تو یہ جائز ہے۔ لیکن اگر مکان میں تمام سہولتیں حاصل ہیں۔ اچھا بھی لگتا ہے۔ آرام بھی ہے لیکن میرے مکان کو دیکھ کر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ تو تھرڈ کلاس آدمی ہے، یا میں جس محلے میں رہتا ہوں اس میں میرا مکان دوسروں کے مکانوں کے ساتھ میچ نہیں کرتا، بلکہ میرے مکان کو دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مالداروں کے محلے میں کوئی نچلے درجے کا آدمی آگیا ہے۔ اب اس غرض کے لئے مکان کو عمدہ بناتا ہوں تاکہ اس کی نمائش ہو، لوگ اس کی تعریف کریں اور اس کو دیکھ کر لوگ مجھے دولت مند سمجھیں۔ اس وقت یہ کام کرنا حرام ہے، حرص میں داخل ہے اور یہ کام "قناعت" کے خلاف ہے، یا اگر کوئی شخص "آسائش" اور "آرائش" کو حاصل کرنے کے لئے ناجائز اور حرام طریقہ اختیار کرتا ہے۔ مثلاً رشوت کی آمدنی کے ذریعہ وہ یہ آسائش

اور آرائش حاصل کرنا چاہتا ہے یا سود لے کر، دوسرے کو دھوکہ دے کر یا دوسرے کا حق مار کر یہ چیز حاصل کرنا چاہتا ہے تو پھر یہ حرص میں داخل ہے اور ناجائز اور حرام ہے۔

کم از کم ادنیٰ درجہ حاصل کرلیں

بہرحال، صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے جو حالات میں نے آپ کو سنائے۔ اس کا مقصد یہ بیان کرنا تھا کہ وہ تو اعلیٰ درجے کے لوگ تھے۔ اگر ہم اپنی کمزوری کی وجہ سے صحابہ کرام کے اس اعلیٰ مقام تک نہیں پہنچ سکتے تو کم از کم اس کا ادنیٰ درجہ تو حاصل کرنے کی فکر کریں جس کو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمایا ہے اور یہ درجہ اس وقت تک حاصل نہیں ہوگا جب تک دنیا کی بے ثباتی اور آخرت کی فکر اور موت کا دھیان انسان کے اندر پیدا نہ ہوجائے۔ آج انسان سالہا سال کے منصوبے بنارہا ہے۔ اس کو یہ پتہ نہیں کہ وہ کل ہی اس دنیا سے رخصت ہوجائے گا، بیٹھے بیٹھے انسان دنیا سے رخصت ہوجاتا ہے۔ لہٰذا ایسے لمبے لمبے منصوبے بنانے سے پرہیز کرے اور صرف بقدر ضرورت دنیا کے مال و اسباب پر قناعت کرے۔ اس قناعت کے ذریعہ اللہ تعالیٰ دنیا میں بھی راحت عطا فرمائیں گے اور آخرت میں بھی سکون ملے گا اور اس کا طریقہ وہ ہے کہ جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمادیا کہ اپنے سے

نیچے والے کو دیکھو اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو۔ اپنے سے اوپر کی طرف مت دیکھو، اس لئے کہ اُوپر کی تو کوئی انتہا نہیں ہے۔

ایک یہودی کا عبرتناک قصہ

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک یہودی کا قصہ لکھا ہے کہ اس نے مال و دولت کے بہت خزانے جمع کر رکھے تھے۔ ایک دن وہ خزانے کا معائنہ کرنے کے ارادے سے چلا۔ خزانے پر ایک چوکیدار بٹھایا ہوا تھا لیکن وہ یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ کہیں چوکیدار تو خیانت نہیں کررہا ہے۔ اس لئے اس چوکیدار کو اطلاع دیئے بغیر وہ خود اپنی خفیہ چابی سے خزانے کا تالہ کھول کر اندر چلا گیا۔ چوکیدار کو پتہ نہیں تھا کہ مالک معائنہ کے لئے اندر گیا ہوا ہے۔ اس نے جب یہ دیکھا کہ خزانے کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔ اس نے آکر باہر سے تالہ لگادیا۔ اب وہ مالک اندر معائنہ کرتا رہا۔ خزانے کی سیر کرتا رہا جب معائنہ سے فارغ ہو کر باہر نکلنے کے لئے دروازے کے پاس آیا تو دیکھا کہ دروازہ باہر سے بند ہے۔ اب اندر سے آواز لگاتا ہے تو آواز باہر نہیں جاتی۔ اب اس خزانے کے اندر سونا چاندی کے ڈھیر لگے ہوئے ہیں لیکن بھوک مٹانے کے لئے ان کو کھا نہیں سکتا تھا۔ پیاس لگ رہی ہے لیکن ان کے ذریعہ اپنی پیاس نہیں بجھا سکتا۔ حتی کہ اس خزانے کے اندر بھوک اور پیاس کی شدت سے تڑپ تڑپ کر جان دیدی اور

وہی خزانہ اس کی موت کا سبب بن گیا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ:

﴿اِنَّمَا يُرِيدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا﴾ (سورۃ التوبہ: ۵۵)

یعنی اللہ تعالیٰ بعض اہل دنیا کو اس دنیا ہی کے ذریعہ اس دنیاوی زندگی میں عذاب دیتے ہیں۔ اگر اس عذاب سے بچنا ہے تو اس کا طریقہ وہی ہے کہ اپنے سے اُوپر مت دیکھو۔ اپنے سے نیچے والے کو دیکھو، اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو۔ البتہ جائز حدود میں رہ کر اپنی جائز ضروریات پوری کرلو۔ باقی صبح و شام دن رات دنیا کو جمع کرنے کے اندر جو انہماک اور جو فکر ہے۔ اس کو ختم کرنے کی کوشش کرو۔

ایک تاجر کا عجیب قصہ

حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے گلستان میں ایک قصہ لکھا ہے کہ میں ایک مرتبہ سفر کررہا تھا۔ سفر کے دوران ایک تاجر کے گھر رات گزارنے کے لئے قیام کیا۔ اس تاجر نے ساری رات میرا دماغ چاٹا وہ اس طرح کہ اپنی تجارت کے سارے قصے مجھے سناتا رہا کہ فلاں ملک میں میری یہ تجارت ہے۔ فلاں جگہ میری یہ تجارت ہے، فلاں جگہ اس چیز کی دکان ہے، فلاں ملک سے یہ چیز درآمد کرتا ہوں، یہ چیز

برآمد کرتا ہوں۔ ساری رات قصے سنا کر آخر میں کہنے لگا کہ میری اور سب آرزوئیں تو پوری ہوگئی ہیں اور میری تجارت پروان چڑھ گئی البتہ اب صرف ایک آخری سفر کرنے کا ارادہ ہے۔ آپ دعا کریں کہ میرا وہ سفر کامیاب ہوجائے تو پھر اس کے بعد قناعت کی زندگی اختیار کرلونگا اور بقیہ زندگی اپنی دکان پر بیٹھ کر گزار دونگا۔

شیخ سعدی نے پوچھا کہ وہ کیسا سفر ہے؟ اس تاجر نے جواب دیا کہ میں یہاں سے فارسی گندھک لے کر چین جاؤں گا۔ اس لئے کہ میں نے سنا ہے کہ وہ چین میں بہت زیادہ قیمت پر فروخت ہوجاتی ہے۔ پھر چین سے چینی برتن لے کر روم میں فروخت کروں گا اور وہاں سے رومی کپڑا لاکر ہندوستان میں فروخت کرونگا اور پھر ہندوستان سے فولاد خرید کر حلب (شام) میں لے جاکر فروخت کرونگا اور حلب سے شیشہ خرید کر یمن میں فروخت کرونگا اور پھر وہاں سے یمنی چادر لے کر واپس فارس آجاؤں گا۔ غرض یہ کہ اس نے ساری دنیا کے ایک سفر کا منصوبہ بنالیا اور شیخ سعدی سے فرمایا کہ بس! اس ایک آخری سفر کا ارادہ ہے۔ اس کے لئے آپ دعا کردیں۔ اس کے بعد میں قناعت سے اپنی دکان پر بقیہ زندگی گزار دونگا۔ اس وقت بھی یہی خیال ہے کہ سب کچھ کرنے کے بعد بھی باقی زندگی دکان پر ہی گزار لے گا۔ شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب میں نے اس کے سفر کی روئیداد سنی تو میں نے اس سے کہا کہ۔

آن شنیدستی کہ در صحرائے غور
بار سالارے بیفتاد از ستور
گفت چشم تنگ دنیا دار را
یا قناعت پرکند یا خاک گور

فرمایا کہ تم نے یہ قصہ سنا ہے کہ غور کے صحرا میں ایک بہت بڑے سوداگر کا سامان اس کے اونٹ سے گرا ہوا پڑا ہوا تھا اور ایک طرف اس کا اونٹ بھی مرا پڑا تھا اور دوسری طرف وہ خود بھی مرا پڑا تھا۔ اس کا وہ سامان زبان حال سے یہ کہہ رہا تھا کہ دنیا دار کی تنگ نگاہ کو یا تو قناعت پر کر سکتی ہے یا قبر کی مٹی پر کر سکتی ہے۔ اس کے پر کرنے کا کوئی تیسرا کوئی طریقہ نہیں ہے۔ (گلستان سعدی، حکایت نمبر ۲۲ صفحہ ۱۱۹)

یہ مال بھی آخرت کا سامان ہے

یہ واقعہ بیان کرنے کے بعد شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ بیان فرماتے ہیں کہ جب دنیا انسان کے اُوپر مسلط ہو جاتی ہے تو پھر اس کو کسی اور چیز کا خیال بھی نہیں آتا۔ یہ ہے دنیا کی محبت جس سے منع کیا گیا ہے۔ اگر یہ محبت نہ ہو، اور پھر اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے مال دیدے اور اس کے ساتھ دل اٹکا ہوا نہ ہو، اور وہ مال اللہ تعالیٰ کی پیروی

میں رکاوٹ نہ بنے۔ وہ مال اللہ تعالیٰ کے احکام بجالانے میں صرف ہو اور اس کے ذریعہ انسان جنت کمائے تو وہ مال پھر دنیا نہیں ہے، وہ مال بھی آخرت کا سامان ہے۔ لیکن اگر اس مال کے ذریعہ آخرت کے راستے میں رکاوٹ پیدا ہو گئی تو وہ دنیا ہے جس سے روکا گیا ہے۔

دل سے دنیا کی محبت کم کرنے کا طریقہ

اور دنیا کی محبت دل سے نکالنے اور آخرت کی محبت دل میں لانے کا طریقہ یہ ہے کہ تھوڑا سا وقت نکال کر انسان اس بات کا مراقبہ کرے کہ یہ دن رات ہم غفلت میں مبتلا ہیں۔ مرنے سے غافل ہیں۔ اللہ کے سامنے پیش ہونے سے غافل ہیں۔ حساب و کتاب سے غافل ہیں۔ جزا اور سزا سے غافل ہیں۔ آخرت سے غافل ہیں اور اس غفلت کی وجہ سے آخرت اور موت کا خیال بھی نہیں آتا۔ اس لئے تھوڑا سا وقت نکال کر انسان یہ مراقبہ کرے کہ ایکدن مرونگا، اس وقت میرا کیا حال ہو گا؟ اور کس طرح اللہ تعالیٰ کے سامنے پیشی ہوگی؟ کس طرح سوال و جواب ہونگے؟ اور مجھے کیا جواب دینا ہوگا۔ روزانہ ان باتوں کا استحضار کرے۔ حضرت تھانوی قدس اللہ سرہٗ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی آدمی روزانہ ان باتوں کا مراقبہ کرے تو چند ہی ہفتوں میں انشاء اللہ وہ یہ محسوس کرے گا کہ دنیا کی محبت دل سے نکل رہی ہے۔

اس کو پوری دنیا دیدی گئی

ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

﴿مَنْ اَصْبَحَ مِنْکُمْ آمِناً فِیْ سِرْبِہٖ مُعَافاً فِیْ جَسَدِہٖ عِنْدَہٗ قُوْۃُ یَوْمِہٖ فَکَاَنَّمَا خِیْزَتْ لَہُ الدُّنْیَا﴾ (ترمذی، ابواب الزھد، باب ماجاء فی الزھادہ فی الدنیا)

یعنی جو شخص اس طرح صبح کرے کہ اس کو تین چیزیں حاصل ہوں۔ ایک یہ کہ وہ اپنے سر چھپانے کی جگہ میں بے خوف ہو یعنی اپنے گھر میں بے خوف ہو اور اس کو کسی دشمن کا یا کسی ظالم کے ظلم کا خطرہ نہ ہو اور دوسرے یہ کہ اس کے بدن میں اس کو تکلیف نہ ہو بلکہ صحت اور عافیت کی حالت میں ہو، کوئی بیماری نہ ہو۔ تیسرے یہ کہ اس کے پاس ایک دن کے کھانے کا انتظام موجود ہو۔ جس شخص کو یہ تین چیزیں حاصل ہوں۔ اس کو گویا کہ پوری کی پوری دنیا تمام اسباب کے ساتھ جمع کر کے دیدی گئی ہے۔ لہٰذا اگر کسی کو یہ تین چیزیں حاصل ہو گئیں۔ اس کی دنیا کی ضرورت پوری ہو گئی۔ اس کو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہئے کہ اس کو عافیت مل گئی اور ضرورت کے طابق دنیا مل گئی اور ایسے شخص کو ناشکری میں نہیں مبتلا ہونا

چاہئے۔

ان نعمتوں پر شکر ادا کرو

اس حدیث میں دو باتوں کی تلقین فرمائی ہے جو ہم سب کے لئے بڑا سبق ہے۔ ایک یہ کہ انسان کو شکر کی عادت ڈالنی چاہئے۔ ناشکری سے بچنا چاہئے۔ ہم لوگ صبح و شام جو ناشکری میں مبتلا رہتے ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ نے انواع و اقسام کی نعمتیں ہمیں دے رکھی ہیں۔ اس کی نعمتوں کی بارش ہو رہی ہے لیکن جب ذرا سی کوئی بات طبیعت کے خلاف پیش آگئی تو بس اب تمام نعمتوں کو بھول کر ناشکری کرنے لگے اور ان نعمتوں کے مقابلے میں اس ذرا سی تکلیف کو لے کر بیٹھ گئے اور اس کے نتیجے میں ناشکری کرنے لگے۔ یہ بڑی خطرناک بات ہے۔ اس لئے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادیا کہ اگر تمہیں تین باتیں حاصل ہوگئیں تو تمہیں پوری دنیا مل گئی۔ اگر اس سے زیادہ نہیں ملی تو اس پر شکوہ کرنے اس پر ناشکری کرنے کا کوئی موقع نہیں۔ آج اگر لوگوں سے یہ پوچھا جاتا ہے کہ کیا حال ہے؟ تو اکثر لوگوں کی زبان پر جملہ آجاتا ہے کہ "گزر رہی ہے۔" "ٹائم پاس ہو رہا ہے"۔ اللہ تعالیٰ بچائے۔ یہ بڑی ناشکری کا کلمہ ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ حقیقت میں تو مجھے اللہ تعالیٰ کی کوئی نعمت تو میسر نہیں ہے۔ تکلیفوں کا عالم ہے۔ لیکن میرا ہی حوصلہ ہے کہ میں اس کو گزار رہا

ہوں اور وقت پاس کر رہا ہوں۔ حالانکہ جب تم سے کوئی پوچھے کہ کیا حال ہے؟ کیسی گزر رہی ہے؟ تو اس وقت اللہ تعالیٰ کی جو نعمتیں تمہیں میسر ہیں۔ ان کا دھیان کرو اور پہلے ان کا شکر ادا کرو کہ الحمدللہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے بڑی نعمتیں عطا فرمائی ہیں اور اگر تھوڑی بہت کوئی تکلیف ہے تو اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے کہہ دو کہ یا اللہ! آپ نے مجھے بے شمار نعمتیں عطا فرمائی ہیں اور یہ جو تکلیف ہے یہ بھی حقیقت میں نعمت ہی کا ایک عنوان ہے لیکن میں کمزور ہوں، اس تکلیف کا تحمل نہیں کر سکتا۔ یا اللہ اپنی رحمت سے اس تکلیف کو دور فرما دیجئے۔ یہ الفاظ کہو۔ یہ مت کہو کہ میں بڑی مشکل سے زندگی گزار رہا ہوں۔

اُونچے اُونچے منصوبے مت بناؤ

یہ زندگی کا گزرنا اس لئے مشکل لگتا ہے کہ اپنے ذہن میں پہلے سے ایک بہت بڑا منصوبہ بنالیا کہ دنیا کا یہ سامان اور اسباب حاصل کرنا ہے۔ مثلاً میرے پاس اتنا شاندار بنگلہ ہونا چاہئے۔ ایسی شاندار کار ہونی چاہئے۔ اتنے نوکر چاکر ہونے چاہئیں۔ اتنی اولاد ہونی چاہئے۔ اتنا بینک بیلنس ہونا چاہئے۔ ایسی تجارت ہونی چاہئے۔ یہ منصوبہ پہلے سے بنالیا۔ پھر اگر اس منصوبے کے مطابق کسی چیز میں کمی رہ گئی تو بس اب ناشکری کرنے لگے کہ ہم تو زندگی گزار رہے ہیں۔

اس حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرف توجہ دلائی ہے کہ تم نے یہ جو بڑے بڑے منصوبے بنا رکھے ہیں۔ یہ بڑی سخت غلطی کی ہے۔ اس لئے کہ اگر تمہیں تین باتیں حاصل ہیں۔ ایک یہ کہ گھر میں تم اطمینان سے ہو۔ دوسرے یہ کہ جسم میں عافیت ہے، تیسرے یہ کہ ایک دن کا اپنا اور اپنے بیوی بچوں کے کھانے کا انتظام موجود ہے تو تمہیں ساری دنیا مل گئی۔ اگر کوئی شخص اپنے ذہن میں یہ بات بٹھالے کہ بس ان تین چیزوں کا نام دنیا ہے جو مجھے ملتی ہے تو اس کے بعد اگر اس کو ان تین چیزوں سے زیادہ دنیا ملے گی تو وہ شخص شکر ادا کرے گا کہ میں مستحق تو کم کا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے زیادہ دیدیا اور اگر اس سے زیادہ چیزیں نہیں ملیں گی تو وہ شخص کم از کم ناشکری نہیں کریگا بلکہ وہ یہ سوچے گا کہ دنیا اتنی ہی تھی جو مجھے ملنی چاہئے تھی اور وہ مل گئی۔ بہرحال، ہماری سب سے بڑی غلطی یہ ہے کہ ہم پہلے سے بڑے بڑے منصوبے خود بنالیتے ہیں۔ پھر اس میں جب کوئی کوتاہی رہ جاتی ہے تو ناشکری کردیتے ہیں۔ اس حدیث میں اس غلطی کا ازالہ فرمادیا کہ ایسے بڑے بڑے منصوبے ہی مت بناؤ۔

اگلے دن کی زیادہ فکر مت کرو

اب ایک سوال ذہن میں یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضور اقدس صلی

اللہ علیہ وسلم نے صرف ایک دن کے کھانے کا ذکر فرمایا ہے کہ اگر تمہارے پاس ایک دن کا کھانا موجود ہے تو ساری دنیا تمہیں مل گئی تو پھر اگلے دن کیا ہوگا؟ اور اس کے بعد آئندہ کیا ہوگا؟ بات دراصل یہ ہے کہ اس حدیث کے ذریعہ اشارہ اس بات کی طرف فرمادیا کہ بھائی! اگلے دن کا کیا پتہ کہ وہ آئے گا یا نہیں آئے گا اور جس مالک نے آج عطا فرمایا ہے کہ وہ مالک کل بھی دیگا۔ اللہ تعالیٰ نے صاف صاف فرمادیا ہے:

﴿وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا﴾

یعنی زمین پر چلنے والا جو کوئی جاندار ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا رزق اپنے ذمہ لے رکھا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کا مستقل ٹھکانہ بھی جانتے ہیں اور اس کا عارضی ٹھکانہ بھی جانتے ہیں۔ اس کا رزق وہیں پہنچائیں گے۔ لہٰذا آئندہ کل تم محنت کرنا اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنا۔ اس محنت اور بھروسے کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ تمہیں رزق عطا فرمائیں گے۔ لہٰذا کل کے لئے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرو اور آج جو کچھ میسر ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو۔ اس لئے کہ شکر کرنے پر اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ: لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ اگر تم شکر کروگے تو تمہیں اور زیادہ دوں گا۔

سکون اور اطمینان قناعت میں ہے

اس حدیث سے دوسرا سبق یہ ملا کہ دنیا میں اطمینان اور عافیت کا راستہ "قناعت" کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ یعنی جائز طریقے سے مناسب تدبیر کے تحت جتنا کچھ اللہ تعالیٰ نے عطا فرمادیا۔ اس پر مطمئن ہوجائے۔ زیادہ کی حرص اور ہوس نہ کرے۔ اس کے علاوہ دنیا میں خوش رہنے کا کوئی اور راستہ نہیں ہے۔ مال و دولت کے انبار لگالو۔ بینک بیلنس کے انبار لگالو، کوٹھیاں بنالو، کاریں رکھ لو، لیکن اگر قناعت نہیں ہے تو پھر ان کوٹھیوں اور بنگلوں میں بھی تمہیں سکون نہیں ملے گا۔ اس مال و دولت کے ڈھیر میں بھی سکون نہیں ملے گا اور اگر قناعت کی دولت تمہیں حاصل ہے تو پھر یقین رکھو کہ چٹنی روٹی میں بھی تمہیں وہ مزہ آجائے گا اور وہ اطمینان و سکون میسر آجائے گا جو بڑی بڑی کوٹھی بنگلوں میں اور اعلیٰ درجے کے کھانوں میں میسر نہیں آئے گا۔ اس کا تجربہ کر کے دیکھ لو۔

بڑے بڑے دولت مندوں کا حال

آج لوگ دنیا ہی کے پیمانے سے ناپے جاتے ہیں۔ چنانچہ جس کے پاس زیادہ روپے پیسے نہیں ہے۔ وہ جب کسی بڑے دولت مند کو

دیکھتا ہے کہ اس کے پاس پیسے بہت ہیں۔ اس کی فیکٹریاں کھڑی ہوئی ہیں۔ اس کے نوکر چاکر ہیں۔ اس کے پاس بینک بیلنس ہے۔ جو چاہتا ہے کرتا ہے، یہ سب چیزیں دیکھ کر وہ سمجھتا ہے کہ یہ آدمی بڑا خوش نصیب ہے۔ پھر اس کو خوش نصیب سمجھنے کے نتیجے میں اپنے دل میں یہ حسرت پیدا ہوتی ہے کہ مجھے یہ چیزیں میسر نہیں آئیں اور دل چاہتا ہے کہ یہ چیزیں ہمیں بھی مل جائیں ـــــ لیکن بات یہ ہے کہ تمہیں کیا معلوم کہ اس مال و دولت کے پیچھے، اس کوٹھی اور بنگلے کے پیچھے اس کو سکون میسر ہے یا نہیں؟ چونکہ لوگ میرے پاس آکر اپنے اندرونی حال بتاتے ہیں اس لئے نہ جانے کتنے لوگ خود میرے علم میں ایسے ہیں کہ اگر ایک عام آدمی اس شخص کو اور اس کے ظاہری حالات کو دیکھے گا تو وہ یہی سمجھے گا کہ دنیا کی عظیم ترین دولت اس کو ملی ہوئی ہے۔ کاش میں بھی اس جیسا بن جاؤں۔ اس کو یہ معلوم نہیں کہ اس کی اندرونی زندگی میں کیا عذاب برپا ہے۔ اور کس مصیبت میں مبتلا ہے۔ بڑے بڑے امیر اور دولت مندوں نے مجھ سے رو رو کر یہ کہا کہ کاش! ہمیں یہ روپیہ نہ ملا ہوتا۔ کاش! ہمیں یہ دولت میسر نہ آئی ہوتی۔ شاید ہمیں اس کے بغیر زیادہ امن و سکون اور زیادہ عافیت مل جاتی۔

سکون پیسے سے نہیں خریدا جاسکتا

بہر حال، یہ راحت اور سکون پیسے سے نہیں خریدا جاسکتا اور نہ دولت کے ذریعہ حاصل کیا جاسکتا ہے بلکہ یہ تو اللہ تعالیٰ کی عطا ہے۔ وہ اگر چاہیں تو چٹنی روٹی میں دیدیں۔ اور اگر نہ چاہیں تو کوٹھی اور بنگلے میں بھی نہ دیں۔ لہٰذا کہاں تک اس کے پیچھے دوڑ لگاؤ گے؟ کہاں تک منصوبے بناؤ گے۔ اسی لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے ہیں کہ دنیا کی اتنی سی حقیقت سمجھ لو کہ یہ دنیا ہمیشہ رہنے کی جگہ ہی نہیں۔ لہٰذا اگر اس دنیا میں اتنا اگر مل جائے تو بڑی غنیمت بات ہے اور جو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمادیا۔ اس پر قناعت کرلو پھر اس قناعت کے ذریعہ تمہیں سکون مل جائے گا۔ اگر قناعت میسر نہیں تو پھر دنیا کے مال و اسباب میں بڑھتے چلے جاؤ گے۔ مگر سکون میسر نہیں آئے گا۔ بعض لوگ اربوں کے مالک ہیں۔ اگر ساری زندگی بیٹھ کر کھاتے رہیں تب بھی ختم نہ ہو۔ مگر پھر بھی اس فکر میں لگے ہوئے ہیں کہ اور مل جائے۔ اور اس کے لئے جائز اور ناجائز، حلال و حرام سب ایک کیا ہوا ہے۔ باوجودیکہ اربوں کے مالک ہیں۔ ارے پہلے یہ دیکھ لو کہ جو دولت تمہارے پاس ہے اس کو کہاں استعمال کروگے؟

دنیا کا مہنگا ترین بازار "لاس اینجلس" میں

میں پچھلے ہفتہ امریکہ گیا ہوا تھا۔ وہاں کا ایک شہر ہے لاس اینجلس، وہاں کے ایک دوست مجھے ایک بازار میں لے گئے اور بتایا کہ یہ بازار دنیا کا سب سے مہنگا بازار ہے اور یہاں چیزیں سب سے مہنگی بکتی ہیں۔ میں نے پوچھا کہ کتنی مہنگی بکتی ہیں؟ انہوں نے مجھے بتایا کہ یہاں پر ایک موزے کی جوڑی کی قیمت دو ہزار ڈالر ہے۔ جس کا مطلب ہے پاکستانی تقریباً پچاسی ہزار روپے کا ایک موزہ۔ ٹائی کی قیمت تین ہزار ڈالر، سوٹ کی قیمت دس ہزار، پندرہ ہزار، بیس ہزار ڈالر ہے۔ ایک ایک لاکھ ڈالر کے سوٹ ملتے ہیں۔ ایک دکان کے پاس سے گزرے تو ہمارے میزبان دوست نے بتایا کہ اس دکان کے ایک حصہ میں تو آدمی خریداری کے لئے جاسکتا ہے اس کے بعد دوسرے حصے میں جانے کے لئے ایک زینہ پر جانا پڑتا ہے۔ اس حصے میں کسی شخص کو جانے کی اجازت نہیں ہوتی جب تک اس دکان کا مالک خود اس کو ساتھ لے کر نہ جائے اور وہاں لے جانے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ مالک اس شخص کو بہت سے کلر کے سوٹ اور بہت سے ڈیزائن کے سوٹ دکھاتا ہے اور پھر مالک اس کو یہ مشورہ دیتا ہے کہ آپ کے جسم کے لئے کونسا کلر اور کونسا ڈیزائن مناسب ہوگا اور پھر مالک اس گاہک سے صرف مشورہ دینے کے دس ہزار ڈالر وصول کرتا

ہے اور سوٹ کی خریداری کے پیسے الگ دینے ہونگے۔ شہزادہ چارلس نے اس سے مشورے کے لئے ٹائم مانگا تھا تو چھ مہینے بعد کا اس کو ملاقات کا ٹائم دیا کہ آپ چھ ماہ کے بعد فلاں وقت پر آپ تشریف لائیں تو آپ کو بتاؤں گا کہ آپ کونسے کلر کا سوٹ پہنیں اور کونسے ڈیزائن کا سوٹ پہنیں۔

اس دولت کا دوسرا رخ

بات دراصل یہ ہے کہ دولت کی ہوس تو ختم نہیں ہوئی اور اب جب دولت آگئی تو اس کو کہاں خرچ کریں۔ چنانچہ اس دولت کو خرچ کرنے کے یہ راستے تلاش کرلئے۔ اب اس میں دولت خرچ ہورہی ہے۔ بہرحال، ایک طرف تو دولت اس طرح پانی کی طرح بہائی جارہی ہے لیکن ابھی ہم لوگ اسی سڑک پر ایک میل دور ہی گئے تھے۔ وہاں یہ عجیب منظر دیکھا کہ ہر سگنل پر بھکاری بھیک مانگ رہے ہیں۔ چنانچہ ایک بھکاری جب ہماری گاڑی کے پاس آیا تو میرے دوست نے اس سے کہا کہ اس وقت میرے پاس پیسے نہیں ہیں۔ اس بھکاری نے کہا کہ میں ڈالر نہیں مانگ رہا ہوں۔ اگر آپ کے پاس پینی (ریزگاری) ہو تو وہ دیدیجئے۔ اس لئے کہ میں کھانے کو ترس رہا ہوں۔ ایک طرف تو یہ حال ہے اور دوسری طرف دو ہزار ڈالر کے موزے بک رہے ہیں۔ آخر دولت جمع کرنے کی کوئی حد اور انتہا تو

ہوگی۔ جتنی دولت ہے۔ پہلے اس کو تو خرچ کرلو۔ پھر بعد میں اور کی فکر کرنا۔ یہ دنیا کی ہوس ایسی لامتناہی ہوس ہے جس کی کوئی حد اور کوئی انتہا نہیں۔ اس کو "جوع البقر" کہا جاتا ہے۔ یعنی ایسی بھوک ہے جو کبھی مٹتی نہیں، چاہے جتنا کھالے۔ ایسی پیاس ہے جو کبھی بجھتی نہیں، چاہے جتنا پانی پی لے۔

ہاتھ میں اُٹھنے والی کھجلی

ہمارے ہی ملک کے ایک بہت بڑے سرمایہ دار جو ملک کے گنے چنے لوگوں میں شمار ہوتے ہیں۔ ایک روز میرے پاس آئے۔ بات چیت ہوتی رہی۔ میں نے ان سے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہت کچھ دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا بڑا کرم ہے۔ لوگ آپ کے اُوپر رشک کرتے ہیں۔ اس دولت کو کچھ ایسے کاموں میں بھی خرچ کردیجئے جس سے یہ دولت آخرت میں بھی کارآمد ہوجائے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہت دولت دیدی ہے۔ آپ نے بہت کچھ کمالیا۔ اب توبہ کرلیجئے کہ سود کی لعنت سے بچیں گے۔ میری بات سن کر انہوں نے سود پر بحث شروع کردی کہ سود کیسے حرام ہے۔ سود کے بغیر دنیا میں کیسے گزار ہوگا۔ کیسے تجارت ہوگی۔ میں نے ان کو سمجھایا تو آخر میں خاموش ہوگئے۔ پھر خود ہی مجھ سے کہنے لگے کہ مولانا صاحب بات تو آپ صحیح کہتے ہیں۔ مگر میں اس ہاتھ میں اُٹھنے والی کھجلی کو کیا کروں؟

یہ کھجلی کسی طرح بھی ختم نہیں ہوتی۔ چاہے کتنے کارخانے لگالوں۔ کتنی فیکٹریاں لگالوں۔ چاہے کتنا بینک بیلنس جمع کرلوں۔ مگر یہ کھجلی ختم نہیں ہوتی اور اس کھجلی کا نتیجہ یہ ہے کہ گھر اندر سے برباد ہے۔ گھر کا سکون میسر نہیں۔ اولاد کی راحت میسر نہیں۔ آپس میں لڑائی جھگڑے ہیں۔ تو دولت تو بہت ہے لیکن راحت اور آرام میسر نہیں۔

دنیا کا مالدار ترین انسان "قارون"

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے قارون کے خزانے کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَاِنَّ مَفَاتِحَهٗ لَتَنُوْٓءُ بِالْعُصْبَةِ اُولِي الْقُوَّةِ﴾ (سورہ القصص: ۷۶)

یعنی اس کے خزانے کی صرف چابیاں اتنی بھاری تھیں کہ ایک بڑی جماعت مل کر اس کو اٹھایا کرتی تھی۔ اس کی چابیاں اٹھانا ایک آدمی کے بس میں نہیں تھا۔ جب وہ اپنی دولت لے کر لوگوں کے پاس سے گزرا تو بعض لوگوں نے اس کی دولت دیکھ کر کہا:

﴿يٰلَيْتَ لَنَا مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ قَارُوْنُ اِنَّهٗ لَذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ﴾

کاش وہ دولت ہمیں بھی ملی ہوتی۔ جیسی دولت قارون کو ملی

ہے۔ وہ تو بڑا خوش قسمت آدمی ہے۔ قرآن کریم نے ان لوگوں کے بارے میں فرمایا کہ یہ لوگ قارون کی ظاہری حالت کو دیکھ رہے تھے کہ چونکہ وہ بڑی دولت رکھنے والا ہے۔ اس لئے بڑا قابل رشک ہے۔ لیکن ان کو یہ معلوم نہیں تھا کہ اس کی اس مال و دولت کے پیچھے کیا عذاب چھپا ہے۔ چنانچہ جب بعد میں لوگوں نے قارون کا انجام دیکھا تو انہی لوگوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کا کتنا کرم ہے کہ اس نے ہمیں قارون جیسا نہیں بنایا۔ بہرحال، دنیا کے مال و اسباب کی کوئی حد تک نہیں۔ کہاں تک تم اس کے پیچھے دوڑوگے؟ کہاں تک تم حسرتیں کروگے؟ اور یاد رکھنا کہ کسی بھی حد پر جاکر تمہیں قرار نہیں آئے گا۔ اگر قرار آئے گا تو وہ صرف اور صرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس ہدایت میں آئے گا کہ قناعت اختیار کرلو۔ "قناعت" کا مطلب یہ ہے کہ مناسب اور جائز تدبیر کے تحت حلال طریقے سے جو کچھ مل رہا ہے۔ اس کو اپنے لئے کافی سمجھو اور اس پر مطمئن ہوجاؤ۔ جس دن یہ "قناعت" حاصل کرلی تو انشاء اللہ، اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دنیا کا تھوڑا بہت اسباب جو تمہیں میسر ہے اسی اسباب میں وہ راحت حاصل ہوجائے گی جو بڑے بڑے بادشاہوں کو حاصل نہیں۔ جو بڑے بڑے سرمایہ داروں اور دولت مندوں کو میسر نہیں۔

حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ کا ایک واقعہ

میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ جب پاکستان تشریف لائے تو اس وقت حکومت نے دستور ساز اسمبلی کے ساتھ ایک "تعلیمات اسلامی بورڈ" بنایا تھا۔ حضرت والد صاحب کو بھی اس کا ممبر بنایا گیا، یہ بورڈ حکومت ہی کا ایک شعبہ تھا۔ ایک مرتبہ حکومت نے کوئی کام گڑبڑ کر دیا تو حضرت والد صاحب نے اخبار میں حکومت کے خلاف بیان دیدیا کہ حکومت نے یہ کام غلط کیا ہے۔ بعد میں حکومت کے کچھ لوگوں سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے والد صاحب سے کہا کہ حضرت! آپ تو حکومت کا حصہ ہیں۔ آپ نے حکومت کے خلاف یہ بیان دیدیا؟ حالانکہ آپ "تعلیمات اسلامی بورڈ" کے رکن ہیں۔ اور یہ بورڈ "دستور ساز اسمبلی" کا حصہ ہے۔ حکومت کے خلاف آپ کا یہ بیان دینا مناسب بات نہیں ہے۔ جواب میں حضرت والد صاحب نے فرمایا کہ میں نے یہ رکنیت کسی اور مقصد کے لئے قبول نہیں کی تھی۔ صرف دین کی خاطر قبول کی تھی اور دین کے ایک خادم کی حیثیت سے یہ میرا یہ فرض ہے کہ جو بات میں حق سمجھوں وہ کہہ دوں۔ چاہے وہ بات حکومت کے موافق پڑے یا مخالف پڑے۔ میں اس کا مکلف نہیں۔ بس اللہ تعالیٰ کے نزدیک جو بات حق ہے وہ واضح کروں۔ رہا رکنیت کا مسئلہ۔ یہ رکنیت کا معاملہ میری

ملازمت نہیں ہے۔ آپ حکومت کے خلاف بات کہتے ہوئے ڈریں کیونکہ آپ حکومت کے ایک ملازم افسر ہیں۔ آپ کی تنخواہ دو ہزار روپے ہے۔ اگر یہ ملازمت چھوٹ گئی تو پھر آپ نے زندگی گزارنے کا جو نظام بنا رکھا ہے وہ نہیں چل سکے گا۔ میرا یہ حال ہے کہ جس دن میں نے رکنیت قبول کی تھی اسی دن استعفیٰ لکھ کر جیب میں ڈال لیا تھا کہ جب کبھی موقع آئے گا پیش کردوں گا۔ جہاں تک ملازمت کا معاملہ ہے تو مجھ میں آپ میں یہ فرق ہے کہ میرا سر سے پاؤں تک زندگی کا جو خرچہ ہے وہ دو روپے سے زیادہ نہیں ہے۔ اس لئے اللہ کے فضل و کرم سے میں اس تنخواہ اور اس الاؤنس کا محتاج نہیں ہوں۔ یہ دو روپے اگر یہاں سے نہیں ملیں گے تو کہیں بھی مزدوری کر کے کمالوں گا اور اپنے ان دو روپے کا خرچہ پورا کرلوں گا اور آپ نے اپنی زندگی کو ایسا بنایا ہے کہ دو سو روپے سے کم میں آپ کا سوٹ نہیں بنتا۔ اس وجہ سے آپ حکومت سے ڈرتے ہیں کہ کہیں ملازمت نہ چھوٹ جائے۔ مجھے الحمدللہ اس کا کوئی ڈر نہیں ہے۔

آمدنی اختیار میں نہیں خرچ اختیار میں ہے

اسی طرح والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ آمدنی بڑھانا انسان کے اختیار میں نہیں اور خرچ کم کرنا انسان کے اختیار میں ہے۔ لہٰذا خرچ کم کر کے قناعت اختیار کرلو۔ انشاء اللہ کوئی پریشانی

نہیں ہوگی۔ پریشانی اس لئے ہوتی ہے تم نے پہلے سے اپنے ذہن میں یہ منصوبہ بنالیا کہ اتنی آمدنی ہونی چاہئے۔ جب اتنی آمدنی نہیں ہوئی تو اب پریشانی شروع ہوگئی۔ لیکن اگر تم نے اپنا خرچ کم کر کے اپنی زندگی کو سادہ بنالیا اور اپنے آپ کو اس کے مطابق ڈھال لیا اور یہ سوچ لیا کہ اگر اللہ تعالیٰ نے کم دیا ہے تو کم پر گزارہ کرلوں گا اور اگر زیادہ دیا ہے تو اس کے مطابق گزارہ کرلوں گا اور اس کے نتیجے میں اپنی آمدنی پر مطمئن ہوگئے تو پھر بس راحت اور عیش کی زندگی گزرے گی۔ اس کا نام "قناعت" ہے۔

یہ دعا کیا کریں

اسی وجہ سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا تلقین فرمائی جو بڑی کام کی دعا ہے۔ ہر مسلمان کو یہ دعا کرنی چاہئے۔ فرمایا:

﴿اَللّٰهُمَّ قَنِّعْنِیْ بِمَا رَزَقْتَنِیْ وَ بَارِكْ لِیْ فِیْهِ﴾

یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی کیا عجیب و غریب دعا ہے۔ ایک ایک جملہ پر آدمی قربان ہوجائے۔ اس دعا کا مطلب یہ ہے کہ اے اللہ جو کچھ آپ نے مجھے رزق عطا فرمایا ہے اس پر مجھے قناعت عطا فرمایئے اور اس میں میرے لئے برکت عطا فرمادیجئے۔ سبحان اللہ۔

اگر یہ دعا ہمارے حق میں قبول ہوجائے تو پھر زندگی کے سارے مسائل حل ہوجائیں۔ اس لئے کہ "قناعت" حاصل ہوجانے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ہر وقت یہ جو ہمیں زیادہ کمانے اور زیادہ کھانے کی اور دنیا کے اسباب زیادہ سے زیادہ جمع کرنے کی دھن لگی ہوئی ہے۔ یہ دھن ختم ہوجائے گی اور اس کے بعد سکون اور راحت حاصل ہوجائے گی اور دوسرے جملے میں فرمایا کہ اے اللہ! اس میں برکت عطا فرما۔ برکت دینے کا مطلب یہ ہے کہ وہ چیز اگرچہ دیکھنے میں تھوڑی ہو لیکن اس چیز سے فائدہ زیادہ پہنچ جائے۔ برکت کے یہ معنی ہیں۔

برکت کا مطلب

آج کل لوگ "برکت" کا لفظ استعمال تو بہت کرتے ہیں۔ مثلاً کسی نے مکان بنالیا یا خرید لیا تو اب لوگ مبارکباد دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو مبارک کرے مبارک ہو، کار مل گئی۔ اللہ تعالیٰ مبارک کرے، شادی ہوگئی مبارک ہو، اللہ تعالیٰ مبارک کرے۔ یہ برکت اور مبارک کا لفظ استعمال تو ہم بہت کرتے ہیں۔ لیکن اس کا مطلب نہیں معلوم کہ کیا مطلب ہے؟ برکت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس چیز کو تمہارے لئے باعث راحت بنادے اور ایسا باعث راحت بنادے کہ چاہے یہ چیز مقدار میں تھوڑی ہو لیکن فائدہ اس چیز سے زیادہ پہنچ جائے۔ اسی کا نام برکت ہے۔

حساب کتاب کی دنیا

آج کی دنیا Statistics (اعداد و شمار، حساب کتاب) کی دنیا ہے۔ آج لوگ پیسوں کو گنتے ہیں کہ اتنی آمدنی ہوئی، اتنا پیسہ اور اتنا روپیہ اتنے ڈالر حاصل ہوئے۔ اتنی تنخواہ ملی۔ لیکن اس گنتی کے نتیجے میں فائدہ کتنا حاصل ہوا اس کو کوئی شمار نہیں کرتا۔ ایک انگریز مسلمان نے ایک بڑی اچھی کتاب لکھی ہے۔ جس کا نام ہے The Reign of quantity "گنتی کی حکومت" یعنی اس وقت دنیا پر جو چیز حکومت کررہی ہے وہ "گنتی" اور مقدار ہے کہ اتنے زیادہ پیسے حاصل ہوجائیں۔ لیکن اس گنتی کے پیچھے فائدہ کتنا ہے اس کو کوئی نہیں دیکھتا۔

برکت اور بے برکتی کی مثال

مثلاً ایک شخص نے سو روپے کمائے۔ جب گھر واپس جانے کے لئے بس اسٹاپ کی طرف چلا تو راستے میں ایک دوست مل گیا۔ اس نے کہا کہ میں تمہیں اپنی گاڑی میں گھر پہنچا دیتا ہوں۔ مجھے بھی اسی طرف جانا ہے۔ چنانچہ وہ آرام سے گھر پہنچ گیا اور کرائے کے پانچ روپے بچ گئے۔ پانچ روپے بچ جانے کا مطلب یہ ہے کہ اس سو

روپے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے برکت ہوگئی۔ اگر وہ دوست نہ ملتا تو اس کے پانچ روپے کرائے میں خرچ ہوجاتے۔ جب بازار میں سودا خریدنے گیا تو اللہ تعالیٰ نے سستی چیز دلادی، یہ برکت ہوگئی۔ اس کے برخلاف ایک آدمی نے ایک لاکھ روپے کمائے۔ اور خوشی خوشی ایک لاکھ روپے لے کر گھر پہنچا تو معلوم ہوا کہ بیٹے کو فلاں بیماری لاحق ہوگئی ہے۔ اس لئے فوراً ہسپتال لے جانا ہے۔ چنانچہ بچے کو لے کر ہسپتال پہنچے۔ ڈاکٹر نے معائنہ کرنے کے بعد مختلف قسم کے ٹیسٹ لکھ دیئے۔ اب صرف ٹیسٹ کرانے پر ہزاروں روپیہ خرچ ہوگیا۔ پھر ڈاکٹر نے کہا کہ اب ہسپتال میں داخل کرنا پڑے گا۔ چنانچہ ہسپتال میں داخل کردیا اور اس طرح وہ ایک لاکھ روپیہ ہسپتال کے بل اور ڈاکٹروں کی فیس وغیرہ میں خرچ ہوگیا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس ایک لاکھ روپے میں بے برکتی ہوگئی۔ برکت نہ ہوئی۔

رشوت اور سود میں بے برکتی

چنانچہ "رشوت" کی جو آمدنی ہوتی ہے۔ اس میں یہی بے برکتی ہوتی ہے۔ اگر ایک جگہ سے رشوت لے گا تو دس جگہ پر رشوت دینی پڑے گی۔ مثلاً ایک جگہ سے رشوت لی اور اب ان پیسوں کو گن گن کر خوش ہورہا ہے کہ میرے پاس دس ہزار کے بیس ہزار روپے ہوگئے۔ بیس کے پچاس ہزار ہوگئے۔ پچاس ہزار سے ایک لاکھ

ہو گئے۔ لیکن اس کو یہ پتہ نہیں کہ یہ ایک لاکھ روپے جو رشوت لے کر جمع کئے گئے ہیں۔ وہ دس آدمیوں کو جاکر دینے پڑیں گے۔ کل جب کسی دفتر میں مجھے کام پڑے گا تو وہاں دینے پڑیں گے۔ دوسری جگہ جائے گا تو وہاں دینے پڑیں گے۔ یہ سارے پیسے اسی طرح تقسیم ہو جائیں گے۔ اس کا نام بے برکتی ہے۔ "برکت" اللہ تعالیٰ کی عطا ہے۔ یہ انسان کے زور بازو سے حاصل نہیں ہوتی۔ اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ دعا کیا کرو کہ اے اللہ! جو کچھ آپ نے مجھے عطا فرمایا ہے اس پر قناعت عطا فرمایئے اور اس میں مجھے برکت عطا فرمادیجئے۔

دارالعلوم کی تنخواہوں میں برکت

ہمارے دارالعلوم کو دیکھ لیجئے۔ وہاں کے اساتذہ اور عملہ کی تنخواہیں گنتی کے اعتبار سے کم ہیں۔ لیکن آپ ان میں سے جس سے چاہیں پوچھ لیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی تنخواہ میں اتنی برکت عطا فرمائی ہے اور اس سے اتنے کام نکل آتے ہیں کہ باہر رہنے والوں کی بڑی تنخواہوں میں وہ کام نہیں ہوتا۔ آنکھوں سے مشاہدہ ہے۔ یہ ہے برکت، جو اللہ تعالیٰ کی عطا ہے۔ اور یہ برکت اس وقت حاصل ہوتی ہے جب انسان قناعت اختیار کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے رجوع کرتا ہے۔

دعا کا تیسرا جملہ

اس دعا میں تیسرا جملہ یہ ارشاد فرمایا کہ:

﴿وَاخْلُفْ عَلٰی كُلِّ غَائِبَةٍ لِّیْ مِنْكَ بِخَیْرٍ﴾

یعنی اے اللہ! جن چیزوں کے بارے میں میرا دل چاہتا تھا کہ وہ چیزیں مجھے مل جائیں، مگر نہیں ملیں۔ اے اللہ مجھے ان کے بدلے میں اور بہتر چیزیں عطا فرما جو آپ کے نزدیک بہتر ہوں۔ گویا کہ اس دعا میں تین جملے ارشاد فرمائے۔ پہلے جملے میں فرمایا کہ "قناعت دیدیجئے۔ دوسرے میں برکت دیدیجئے اور جن چیزوں کے بارے میں میرا دل چاہتا تھا کہ مجھے ملیں مگر نہیں ملیں۔ آپ نے اپنی تقدیر اور فیصلے سے مجھے عطا نہیں فرمائیں۔ تو ظاہر ہے کہ اس میں ضرور کوئی حکمت ہوگی۔ اے اللہ ان کے بدلے میں وہ چیز دیدیجئے جو آپ کے نزدیک میرے حق میں بہتر ہو۔ مثلاً دل چاہتا تھا کہ میرے پاس کار ہو۔ مگر نہیں ملی تو اے اللہ! جب آپ نے مجھے خواہش کے باوجود کار نہیں دی تو یقیناً اس میں کوئی نہ کوئی حکمت اور مصلحت ہوگی۔ اے اللہ! اس کے بدلے میں وہ چیز دیدیجئے جو آپ کے نزدیک بہتر ہو۔ اگر انسان کے حق میں یہ تین دعائیں قبول ہوجائیں کہ قناعت مل

جائے جو کچھ ملا ہے اس میں برکت حاصل ہو جائے اور جو نہیں ملا اس کا نعم البدل مل جائے تو پھر دنیا کے اندر اور کیا چاہئے۔

قناعت بڑی دولت ہے

یہ قناعت بڑی دولت ہے۔ اس سے بڑی دولت کوئی اور چیز نہیں۔ آج لوگ روپے پیسے کو دولت سمجھتے ہیں۔ کوٹھی، بنگلے کو اور مال و اسباب کو دولت سمجھتے ہیں۔ یاد رکھئے۔ ان میں سے کوئی چیز دولت نہیں۔ اصل دولت "قناعت" ہے۔ حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

﴿لَيْسَ الغِنٰى عَن كَثْرَةِ الْعَرْضِ وَلٰكِنَّ الْغِنٰى غِنَى النَّفْسِ﴾

(صحیح بخاری، کتاب الرقاق، باب الغنی غنی النفس)

یعنی سامان کی کثرت اور مالداری کا نام غنی نہیں ہے بلکہ نفس کے غنی کا نام "مالداری" ہے کہ انسان کا دل بے نیاز ہو۔ کسی کے سامنے ہاتھ نہ پھیلائے۔ کسی کے سامنے اپنی حاجت ظاہر نہ کرے اور ناجائز طریقوں سے دولت جمع کرنے کی فکر نہ کرے۔ بس جو کچھ ملا ہوا ہے۔ اس پر مطمئن ہو اور جو کچھ نہیں ملا اس پر یہ اطمینان ہو کہ وہ میرے حق میں بہتر نہیں تھا۔ اگر میرے حق میں بہتر ہوتا تو ملتا۔ نہیں ملا اللہ تعالیٰ کے نزدیک میرے لئے اسی میں بہتری ہوگی۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور قناعت

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک فرشتہ آتا ہے اور عرض کرتا ہے کہ آپ حکم کریں تو یہ احد پہاڑ آپ کے لئے سونے کا بنادیا جائے اور یہ سارا سونا آپ کی ملکیت ہو۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے انکار فرمادیا کہ نہیں۔ ایسا نہ کریں کیونکہ میں تو اس طرح زندگی گزارنا چاہتا ہوں کہ کھانا مل جائے تو شکر کر کے کھالوں اور اگر نہ ملے تو صبر کروں تاکہ شکر کی نعمت بھی حاصل ہوجائے اور صبر کی نعمت بھی حاصل ہوجائے اور مال کی زیادتی مجھے مطلوب نہیں۔ مجھے تو ایسا "غنیٰ" چاہئے جو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرانے والا ہو۔ چنانچہ یہ دعا بھی فرمائی:

﴿اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَعُوْذُبِکَ مِنْ کُلِّ غِنًی یُطْغِیْنِی﴾

"یعنی اے اللہ، میں ایسی مالداری سے پناہ مانگتا ہوں جو مجھے سرکش بنادے"۔

خلاصہ

خلاصہ عرض کرنے کا یہ ہے کہ یہ احادیث دو چیزوں کا سبق دے

رہی ہیں۔ ایک یہ کہ جو کچھ ملا ہوا ہے اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کی عادت ڈالو۔ چھوٹی سے چھوٹی نعمت جو بظاہر دیکھنے میں چھوٹی معلوم ہو رہی ہے۔ اس پر بھی اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو اور ناشکری سے بچو۔ تھوڑی دیر کے لئے سوچا کرو کہ اللہ تعالیٰ کی کیا کیا نعمتیں اس وقت میرے اُوپر برس رہی ہیں۔ میرا وجود، میری زندگی، میری سانسوں کی آمدورفت میری آنکھیں، میرے کان، میرے دانت، میرا منہ، میرے ہاتھ، میرے پاؤں۔ یہ سب نعمتیں اللہ تعالیٰ نے مجھے عطا کر رکھی ہیں۔ یہ ایسی نعمتیں ہیں کہ اگر ان میں سے ایک نعمت بھی چھن جائے تو لاکھوں روپے خرچ کرنے کے باوجود حاصل نہ ہوں۔ صحت، عافیت، گھر، گھر والے، سکون، آرام، راحت ان سب نعمتوں کا تصور کر کے ان پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو۔ دوسرا سبق یہ ملا کہ دنیا کے معاملے میں اپنے سے اُوپر والے کو مت دیکھو، بلکہ نیچے والے کو دیکھو، اور دین کے معاملے میں اپنے سے اُوپر والے کو دیکھو۔ اور تیسرا سبق یہ ملا کہ جو کچھ ملا ہوا ہے۔ اس پر "قناعت" اختیار کرلو۔ لیکن قناعت کا یہ مطلب نہیں ہے کہ جائز تدبیر بھی اختیار مت کرو۔ اس لئے کہ جائز تدبیر اختیار کرنے سے کوئی منع نہیں کرتا۔ مثلاً تجارت کر رہا ہے تو تجارت کرے۔ ملازمت کر رہا ہے تو ملازمت کرے۔ زراعت کر رہا ہے تو زراعت کرے لیکن اس جائز تدبیر کے نتیجے میں حلال طریقے سے جو کچھ مل رہا ہے اس پر مطمئن ہو جائے

اور اس پر قناعت اختیار کرلے اور یہ نہ سوچے کہ جو میں نے منصوبہ بنایا ہے اس میں جائز طریقے سے تو کم مل رہا ہے۔ لہٰذا ناجائز طریقے سے زیادہ حاصل کرلوں۔ ایسا نہ کرے بلکہ قناعت اختیار کرے کیونکہ قناعت کے بغیر گزار نہیں۔ اور ساتھ میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرے کہ اے اللہ! مجھے قناعت عطا فرمادیجئے اور جو کچھ آپ نے نعمتیں عطا فرمائی ہیں۔ اس میں برکت عطا فرمائیے۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ سب کو اپنے فضل سے یہ دولت عطا فرمادے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ارشادات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمادے۔ آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب
العالمین